زندگی بے بندگی شرمندگی

۵

صلوٰۃ و زکوٰۃ

بنت الاسلام

زندگی بے بندگی شرمندگی

(حصہ پنجم)

صلوٰۃ و زکوٰۃ

بنت الاسلام

ادارہ بتول سید پلازہ ۳۰، فیروز پور روڈ لاہور

طابع : ادارہ بتول لاہور
مطبع :
بار اوّل : ۱۹۷۸ء
بار نہم : ۱۹۹۵ء
بار دہم : ۱۹۹۶ء
بار یازدہم ۱۹۹۷ء
قیمت : ۴۵ روپے

2001
Qazi Sanaullah
441 N Ardmore Ave Apt E
Villa Park, IL 60181-1702

ترتیب

- تعارف ۵
- عبادت ۷
- نماز ۱۷

★ نماز کی فرضیت ۱۹
★ نماز کی فضیلت ۲۸
★ نماز کی عمدگی ۴۷

ا۔ خشوع وخضوع ۴۷
ب۔ کامل توجہ ۵۴
ج۔ ارکان نماز کو آہستگی، سکون اور وقار سے ادا کرنا ۶۰
د۔ نماز کے دوران قرآن خوانی ۶۴
ہ۔ افضل وقت ۶۷

★ مسجد، اذان، جماعت، جمعہ ۷۱
ا۔ مسجد ۷۱
ب۔ اذان ۷۵
ج۔ جماعت ۸۱
د۔ جمعہ ۹۲
ہ۔ عیدین ۹۸
★ آنکھ کی ٹھنڈک ۱۰۰
★ زکوٰۃ ۱۱۱
★ انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید اور فضیلت ۱۱۳

ا۔ تاکید	۱۱۵
ب۔ فضیلت	۱۲۲
★ نظامِ زکوٰۃ	۱۳۱
ا۔ صاحبِ نصاب	۱۳۳
ب۔ شرح زکوٰۃ	۱۳۵
ج۔ مصارفِ زکوٰۃ	۱۳۵
د۔ کن لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی	۱۳۹
ہ۔ زکوٰۃ کی فرضیت اور تاکید	۱۴۱
★ زکوٰۃ کی برکات	۱۴۸
ا۔ مال کی پاکی اور برکت	۱۴۸
ب۔ دل کی پاکی	۱۵۲
ج۔ کمزوروں کی اعانت	۱۵۵
د۔ خدا اور مخلوق سے تعلقات کی مضبوطی	۱۵۹
★ کچھ ضروری ہدایات	۱۶۰
ا۔ دلی خوشی سے خرچ کرنا	۱۶۰
ب۔ اچھی چیز دینا	۱۶۱
ج۔ منّ و اذیٰ اور فخر و ریا سے پرہیز	۱۶۴
د۔ موقع کو غنیمت جاننا	۱۷۰
ہ۔ انفاق میں اعتدال	۱۷۲
و۔ زیادہ مستحق لوگ	۱۷۴
ز۔ جذبۂ انفاق رکھنے والے	۱۷۸

تعارف

یہ کتاب اپنے سلسلے کا پانچواں حصّہ ہے۔ اس سے پہلے مندرجہ ذیل چار حصّے طبع ہو چکے ہیں۔

۱۔ آخرت

۲۔ حبِّ الٰہی

۳۔ داعی کے اوصاف

۴۔ نفس کا تزکیہ

موجودہ تصنیف میں اسلام کی چار عبادات نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے احکام اور تفصیلات بتانی مقصود تھیں مگر اس طرح کتاب کے اتنی ضخیم ہو جانے کا خدشہ تھا کہ یہ بہتر سمجھا گیا ہے کہ موجودہ تصنیف صرف نماز اور زکوٰۃ ہی سے بحث کرے اور پھر دوسرے حصّے میں روزوں اور حج کا ذکر ہو۔

موجودہ تصنیف میں بھی انہیں اصولوں کو پیشِ نظر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، جو شروع سے اس سلسلے میں مدِّنظر رہے ہیں۔ یعنی کہ جو کچھ بھی کہا جائے زیادہ تر قرآن، حدیث اور سلفِ صالحین ہی کی زبان میں کہا جائے اور اپنی زبان کم سے کم استعمال کی جائے۔ نیز زبان حتی الامکان عام فہم استعمال کی جائے اور فقہی مسائل کی کی تفصیلات پیش کرنے کے بجائے زیادہ زور ایسی چیزوں پر ہو جو پڑھنے والوں کے دلوں میں اسلامی احکام پر عمل کرنے کا شوق پیدا کریں۔

پڑھنے والوں سے درخواست ہے کہ اس سلسلۂ کتب کے معاملے میں ہماری رہنمائی فرمائیں وہ

اس طرح کہ اگر ان میں کوئی بات قابلِ اعتراض ہو تو اس سے مطلع فرمائیں اور اگر ان کے ذہن میں کوئی ایسی تجویز ہو جس سے اس سلسلے کو زیادہ مفید اور دلچسپ بنایا جا سکے تو اس سے ہمیں آگاہی بخشیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس سعی کو قبول فرمائے۔ آمین۔

بنت الاسلام

عبادت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (الذّٰریٰت: ۵۶)

"میں نے جنّوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔"

اب اگر انسان کو صرف عبادت ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو پھر اُس کے لیے پہلی ضروری بات یہی ہے کہ وہ لفظ "عبادت" کا مفہوم سمجھے، کیونکہ اس کا ٹھیک ٹھیک مفہوم سمجھے بغیر اُس کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ درست طریقے سے عبادت کر سکے اور اگر وہ درست طریقے سے عبادت نہیں کرے گا تو اپنی پیدائش کے مقصد کو پُورا کرنے سے قاصر رہے گا۔

عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ عبادت کرنا یہ ہے کہ نماز پڑھی جائے، روزے رکھے جائیں، مال کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور استطاعت ہو تو خانۂ کعبہ کا حج کیا جائے۔ بلاشبہ یہ سب اعمال عبادتیں ہیں لیکن اگر یہ کہا جائے کہ عبادت سے مراد صرف یہی اعمال ہیں تو ایسا کہنا غلط ہوگا، کیونکہ لفظ "عبادت" میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے علاوہ بھی بہت کچھ شامل ہے اور جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کرے تو اُس کی مراد صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہی نہیں ہوتے بلکہ وہ تمام اعمال و افعال مراد ہوتے ہیں جن کے لیے لفظ "عبادت" درحقیقت استعمال ہوتا ہے۔

عبادت کا اصل مفہوم اس طرح ہے کہ انسان "عبد" ہے یعنی بندہ اور خدا اس کا معبود ہے اور عبد اپنے معبود کو خوش کرنے کے لیے جو کام بھی کرے، وہ عبادت ہے۔ اب اگر وہ اُسے خوش کرنے کے لیے نماز پڑھتا ہے تو یہ بھی عبادت ہے اور اگر وہ اُسے خوش کرنے کے لیے مصیبتوں پر صبر کرتا ہے تو یہ صبر کرنا بھی عبادت ہے اور اگر وہ رات کو سوتا ہے اور مقصد اُس کا یہ ہوتا ہے کہ صبح تازہ دم ہو کر اُٹھوں تاکہ وہ کام کر سکوں جن سے خدا خوش ہو تو اس کا یہ سونا بھی عبادت ہے۔ ذیل کی چند مثالوں پر غور کیجیے تو "عبادت" کا مفہوم خود ہی واضح ہو جائے گا۔

ایک تاجر اپنی روزی کمانے کے لیے تجارت کرتا ہے۔ اب بظاہر تو اُس کا تجارت کرنا ایک دنیوی کام ہی ہے لیکن اگر وہ تجارت کرتے ہوئے اس بات کا دھیان رکھتا ہے کہ چور بازاری نہ کروں، سٹہ بازی سے بچوں، اشیاء میں ملاوٹ کرنے سے پرہیز کروں، گاہکوں کے ساتھ دغا فریب نہ کروں اور تجارت کے اُن اصولوں پر عمل کروں جو اسلام نے معین کیے ہیں اور یہ سب احتیاطیں کرتے ہوئے اُس کا مقصد صرف یہ ہے کہ میرا خدا مجھ سے خوش ہو تو پھر اُس کا روزی کمانا بھی عبادت ہے۔ کیونکہ اس "عبد" نے روزی کماتے ہوئے اپنے معبود کو خوش کرنے کی کوشش جاری رکھی ہے اور عبد اپنے معبود کو خوش کرنے کے لیے جو بھی کام کرے گا، وہ عبادت ہے۔

ایسے ہی ایک حکمران کی مثال پر غور کیجیے جو حکمرانی کرتے ہوئے دھیان رکھتا ہے کہ عوام کے حقوق پورے پورے ادا کروں، لوگوں پر ظلم و ستم کرنے سے بچوں، رعایا کو ایک دوسرے کی چیرہ دستی اور بے انصافی سے بچاؤں، ملک کو دشمنوں کے حملے کے مقابلے میں مضبوط اور مستحکم کروں، خزانے کو غلط جگہوں پر خرچ نہ

ہونے دُوں اور حقداروں کے حقوق پوری طرح ادا کرواؤں، اور یہ سب کام وہ صرف اس لیے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے راضی ہو تو اُس کا حکمرانی کرنا بھی عبادت ہے۔

ایک خانہ دار خاتون اپنا گھر چلاتے ہوئے پوری کوشش کرتی ہے کہ شوہر کی اطاعت کروں، بچّوں کو نیکی کا سبق پڑھاؤں، گھر بار کی کماحقہٗ حفاظت کروں، اہلِ خانہ اور ملازموں کے ساتھ انصاف سے پیش آؤں، ہمسایوں اور رشتے داروں سے حسنِ سلوک کروں اور نیکوکاری کی زندگی بسر کروں، اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ میرا خدا مجھ سے خوش ہو تو اُس کا گھر چلانا بھی عبادت ہے۔

ایک باپ اپنے بچّوں کو کما کر کھلاتا ہے۔ اُن کی دُکھ بیماریوں اور پالنے پوسنے کے دوسرے اخراجات برداشت کرتا ہے اور انہیں زندگی میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل بنانے کے لیے جدوجہد کرتا ہے اور مقصد اُس کا یہ ہوتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی امانت کے حقوق ادا کروں تاکہ مجھے خدا کی خوشنودی حاصل ہو تو اُس کا اپنے بچّوں کو کما کر کھلانا اور اُن کے اخراجات پورے کرنا بھی عبادت ہے۔

ایسے ہی ایک اُستاد جان مار کر شاگردوں کو پڑھاتا ہے، ایک ہمسایہ اپنے ہمسایوں کے دُکھ سُکھ میں شرکت کرتا ہے اور ایک مزدور تندہی سے کام کر کے اپنی اُجرت کا پیسہ پیسہ حلال کرنے کی کوشش کرتا ہے اور مقصد اُن کا یہی ہوتا ہے کہ اپنے خالق کی خوشنودی حاصل کریں تو یہ شاگردوں کو پڑھانا، یہ ہمسائے کی غمخواری کرنا اور یہ مزدوری کرنا سب کچھ عبادت ہے۔

غرضیکہ لفظ "عبادت" کا اطلاق زندگی کے تمام نیک اعمال پر ہوتا ہے بشرطیکہ ان کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ لہٰذا یہ جو فرمایا گیا ہے کہ میں نے جنّوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں تو اس سے مُراد یہ ہے کہ میں نے انہیں اس لیے

پیدا کیا ہے کہ وہ اس دنیا میں زندگی گزارتے ہوئے ہر کام کرتے اور ہر بات کہتے وقت اس بات کا دھیان رکھیں کہ وہ عمل یا قول میرے احکام کے مطابق ہو اور مجھے خوش کرنے والا ہو مجھے ناراض کرنے والا نہ ہو۔

باقی رہیں وہ عبادتیں جن کے لیے عموماً لفظ عبادت استعمال ہوتا ہے۔ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج، تو وہ اس لیے فرض کی گئی ہیں کہ انسان کو اس بات کی تربیت دیتی رہیں کہ وہ پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا دھیان رکھ سکے۔ ان چاروں عبادتوں کا نظام ایسا بنایا گیا ہے کہ جو شخص انہیں اُن تمام شرائط کے ساتھ ادا کرے گا جو خدا نے اُن کے ساتھ رکھی ہوئی ہیں، اُس کے دل کی ایسی تربیت ہو جائے گی کہ پھر وہ زندگی کے ہر ہر معاملے میں دھیان رکھے گا کہ میرا طرزِ عمل خدا کے احکام کے مطابق ہو اور مجھے اُس کی رضا حاصل ہو جائے۔ گویا یہ چار عبادتیں اُسے اس قابل بنا دیں گی کہ وہ اپنی پوری زندگی کو خدا کی عبادت بنا سکے۔ اب ایک سچے مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ یہ چار عبادتیں بھی باقاعدگی سے ادا کرے اور ساتھ ہی اس بڑی عبادت کو ادا کرنے کی بھی پوری کوشش کرتا رہے جو ان عبادتوں کا مقصد ہے۔ ورنہ اس کا دعویٰ ایمانی سچا نہیں ہوگا۔

اب جو لوگ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج تو ادا کر لیتے ہیں مگر انہیں اس بات کی پروا نہیں کہ ان کی زندگی کے دوسرے معاملات کے سلسلے میں خدا ان سے خوش ہے یا ناراض، وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا نہیں کرتے اور ایسے ہی جنہیں ایمان کا دعویٰ تو ہے مگر وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے، وہ بھی لفظ "عبادت" کے صحیح مفہوم سے ناآشنا ہیں۔

اس بات کو ایک مثال کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ فوج کے ہر سپاہی کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اگر اس کے ملک پر دشمن حملہ کر دے تو وہ ملک کا دفاع کرے اور دفاع میں اگر جان بھی دینی پڑے تو دیدے۔ مگر اُسے ملک کا دفاع کرنے کے قابل بنانے

کے لیے مدتوں اُسے سخت قسم کی فوجی تربیت دی جاتی ہے، اُس سے پریڈ کرائی جاتی ہے، اُسے اسلحہ کا استعمال سکھایا جاتا ہے، اُسے طرح طرح کی سختی نرمی میں سے گزار کر سخت جان بنایا جاتا ہے تاکہ وہ میدانِ جنگ کی آزمائشوں کا مقابلہ کر کے اپنا فرض ادا کر سکے۔ اب اگر کوئی فوجی یہ سب جنگی تربیت تو لیتا رہے مگر جب ملک پر حملہ ہو اور اُسے اس کا دفاع کرنے کے لیے میدانِ جنگ میں آنے کو کہا جائے تو جان بچا کر کونے میں جا چھپے — تو ایسے شخص کے بارے میں پھر یہی کہا جائے گا کہ اُس نے بے کار ہی جنگی تربیت لی۔ کیونکہ جنگی تربیت لینے سے مقصد تو ملک کا دفاع تھا۔ اگر اُس نے وہی کام نہیں کیا جس کے لیے اُسے تربیت دی گئی تھی تو پھر اس کے تربیت لینے کا فائدہ کیا ہوا؟ آخر ظاہر ہے کہ ایسا فوجی سزا سے بچ نہیں سکے گا۔

کچھ ایسا ہی حال اُس شخص کا ہوتا ہے جو نماز بھی پڑھتا ہے، روزے بھی رکھتا ہے، زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے اور خانۂ کعبہ کا حج بھی کر آتا ہے مگر یہ سب کام کچھ ایسی مشینی انداز میں کرتا ہے کہ سینے کے اندر اُس کا دل غیر تربیت یافتہ ہی رہتا ہے اور اس میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا کہ زندگی گزارتے ہوئے ہر معاملے میں خدا کی خوشنودی کا دھیان رکھوں۔ حالانکہ یہ عبادتیں اُس پر اسی لیے فرض کی گئی تھیں کہ اُسے اس قابل بنائیں کہ وہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا متمنی رہے۔ اب اگر وہ وہی کام نہیں کر رہا جس کے لیے یہ عبادات اس پر فرض کی گئی تھیں تو پھر اُس کی حالت اُس سپاہی ہی کی سی ہے جو دفاع کرنے کی تربیت تو لیتا ہے مگر دفاع کرتا نہیں۔

ایسے ہی اگر کوئی سپاہی یہ کہے کہ ضرورت پڑنے پر میں ملک کے دفاع میں اپنی جان لڑا دوں گا مگر مجھے پریڈ کرنے، اسلحہ کا استعمال سیکھنے اور دوسری ضروری تربیت حاصل کرنے کے لیے مجبور نہ کرو، تو اس کی بات سن کر بھی ہر کوئی ہنسے گا کہ بھلا جب تم لڑنے کی تربیت ہی نہیں لو گے تو تم لڑو گے کیسے

سکو گے آخر ۔ بس کچھ ایسا ہی حال اُس انسان کا ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ کہ میں ہمیشہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا مگر مجھ سے نماز روزہ نہیں ہوتا، نہ ہی میں زکوٰۃ اور فریضۂ حج ادا کر سکتا ہوں ۔ اگر اُس نے خدا کے یہی چار حکم نہیں مانے جو اُسے اس قابل بناتے ہیں کہ وہ خدا کی خوشنودی حاصل کر سکے تو پھر اس نے خدا کی خوشنودی حاصل کرنی کیسے ہے ۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں پر یہ فرض عائد کیا ہوا ہے کہ ہم زندگی کے تمام امور میں اس کی خوشنودی کو پیشِ نظر رکھیں کہ یہی وہ عبادت ہے جس کے لیے ہمیں پیدا کیا گیا ہے ۔ پھر اس نے ہم پر چار ایسی عبادات بھی فرض کر دی ہیں جو ہمیں اُس بڑی عبادت کو بحسن و خوبی انجام دینے کے لیے تیار کرتی ہیں ۔

یہ کتاب جو اس وقت پیشِ خدمت ہے انہیں چار عبادتوں میں سے پہلی دو عبادتوں سے بحث کرتی ہے ۔ اس میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ عبادتیں کتنی ضروری ہیں، کتنی فضیلت کی حامل ہیں، کتنی عمدگی سے ادا کیے جانے کا تقاضا کرتی ہیں ۔ ان کی ادائیگی سے آخرت کی نجات کے علاوہ اس دنیوی زندگی میں بھی کتنی برکات حاصل ہوتی ہیں اور کس طرح انہیں لازم پکڑ کر ہم اس قابل ہو جاتے ہیں کہ اپنے آقا و مالک کی بندگی کے فریضے کو بہتر سے بہتر طریقے سے انجام دے سکیں ۔ موجودہ کتاب میں نماز اور زکوٰۃ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور اس کے بعد والی کتاب میں انشاء اللہ صیام رمضان اور حج کا بیان ہو گا ۔

اگر دینِ اسلام ایک عمارت ہے تو یہ چاروں عبادتیں وہ چار ستون ہیں جن پر یہ عمارت قائم ہے لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ اسلام کو بار بار یہ تاکید فرمائی ہے کہ ان چاروں عبادتوں کی ادائیگی سے ذرا بھی غافل نہ ہونے پائیں ۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام (کی عمارت کی) بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ (ایک) اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور (دوسری) نماز قائم کرنا اور (تیسری زکوٰۃ ادا کرنا اور (چوتھی خانۂ کعبہ کا) حج کرنا اور (پانچویں) رمضان کے روزے رکھنا۔ (بخاری)

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے سنا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے اور اپنی پانچ نمازیں پڑھو اور اپنے مہینے کے روزے رکھو اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور جب (تمہارا امیر) تمہیں حکم دے تو اطاعت کرو (اگر یہ کام کرتے رہو گے) تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو گے۔ (ترمذی)

حضرت ابوایوبؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپؐ کسی ایسے عمل کی طرف میری رہنمائی فرمادیجئے کہ جب میں اسے کروں تو وہ مجھے جنت کے قریب کر دے اور دوزخ سے دور کر دے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تو اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور نماز قائم کر اور زکوٰۃ ادا کر اور اپنے رشتے داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کر۔ پھر جب وہ شخص پشت پھیر کر چلا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر اس نے ان باتوں پر پابندی اختیار کی، جن کا اسے حکم دیا گیا ہے تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (مسلم)

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ کی ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی شخص آیا اور اس نے (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) عرض کیا کہ ہمارے پاس آپؐ کا قاصد پہنچا ہے اور اس نے ہمیں

بتلایا ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ خدائے بزرگ و برتر نے آپؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا ہے۔ پھر وہ دیہاتی کہنے لگا کہ آسمان کو کس نے بنایا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ خدائے بزرگ و برتر نے۔ اُس نے کہا کہ زمین اور پہاڑ کس نے بنائے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ خدائے بزرگ و برتر نے۔ اُس نے کہا کہ اُن میں فائدے کی چیزیں کس نے بنائی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ خدائے بزرگ و برتر نے۔ (اس پر) وہ کہنے لگا، تو پھر (آپؐ کو) قسم ہے اس ہستی کی جس نے آسمان بنایا اور زمین بنائی اور پہاڑوں کو کھڑا کیا اور اُن میں فائدے کی چیزیں بنائیں (سچ سچ بتا دیجیے) کہ کیا اللہ نے آپؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ اُس نے کہا کہ آپؐ کے قاصد نے یہ بھی بتایا کہ ہم پر پانچ نمازیں پڑھنا اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ (دینا بھی) فرض ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔ (اس پر) اس نے کہا کہ (آپؐ کو) قسم ہے اُس ہستی کی جس نے آپؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ (سچ سچ بتایئے) کہ کیا اللہ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ اُس نے کہا کہ آپؐ کے ایلچی نے یہ (بھی) کہا کہ ہم پر سال بھر میں ایک مہینے کے روزے فرض ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔ وہ (دیہاتی) کہنے لگا۔ پس (آپؐ کو) قسم ہے اُس ہستی کی جس نے آپؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا (سچ سچ بتا دیجیے) کہ کیا اللہ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ اُس نے کہا کہ آپؐ کے قاصد نے یہ بھی بتایا کہ ہم پر خانۂ کعبہ کا حج کرنا فرض ہے (یعنی ہم میں سے) اُس پر جو اُس تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا۔ وہ کہنے لگا کہ پھر آپؐ کو (قسم ہے اُس ہستی کی جس نے آپؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ (سچ سچ بتایئے) کہ کیا اللہ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ (اس پر) وہ کہنے لگا

پس قسم ہے اُس ہستی کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا کہ میں ان کاموں پر نہ کچھ بڑھاؤں گا اور نہ (ان میں) کمی کروں گا — اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا ہے تو ضرور جنت میں جائے گا۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے خدا کی راہ میں ایک جوڑا دیا اُسے جنت کے دروازوں میں سے پکارا جائے گا (صدا آئے گی کہ) اے خدا کے بندے، یہ (دروازہ) بہتر ہے۔ پھر جو کوئی نمازیوں میں سے ہوگا اُسے نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جو کوئی مجاہدین میں سے ہوگا اُسے جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جو کوئی روزہ داروں میں سے ہوگا اُسے باب الریان سے بلایا جائے گا اور جو کوئی خیرات کرنے والوں میں سے ہوگا اُسے خیرات کے دروازے سے بلایا جائے گا.....

(بخاری)

اس چند روزہ زندگی میں انسان کو خدا کی نافرمانی پر اُبھارنے والے اسباب زیادہ تر یہی ہوتے ہیں کہ ایک تو انسان کے دل میں دنیوی مال و زر، ساز و سامان اور عزت و جاہ کی حرص بہت بڑھ جاتی ہے، دوسرے ناجائز خواہشات اور شہوات اس پر غلبہ پا لیتی ہیں اور تیسرے وہ موت اور موت کے بعد والی زندگی پر یقین رکھنے کے باوجود اُس سے غافل رہتا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی اللہ کی فرض کردہ ان چاروں عبادتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"غفلت کا علاج اسلام نے نماز کو بتایا ہے۔ محبت دنیا

کا علاج انفاق فی سبیل اللہ ہے، شہوات و خواہشات کا زور رونے سے ٹوٹتا ہے اور ان تمام امراض کا جامع اور آخری علاج حج ہے۔"

(تزکیۂ نفس)

نماز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ
وَالۡمُنۡکَرِ

(یقیناً نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی
ہے۔) (العنکبوت: ۴۵)

نماز کی فرضیت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذرؓ بیان کیا کرتے تھے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ایک رات) جب میں مکہ میں تھا، میرے گھر کی چھت پھٹی اور جبرئیل علیہ السلام نیچے اُترے۔ اُنہوں نے میرے سینے کو چاک کیا، پھر اُسے زمزم کے پانی سے دھویا، پھر وہ سونے کا ایک طشت لائے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا اور اسے میرے سینے میں انڈیل دیا، پھر سینے کو بند کر دیا۔ اُس کے بعد میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے آسمان پر چڑھا لے گئے۔ جب میں آسمانِ دنیا (یعنی پہلے آسمان) تک پہنچا تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ (دروازہ) کھول دو۔ اُس نے کہا کہ کون ہے جبرئیل نے جواب دیا کہ جبرئیلؑ ہے۔ اُس نے پوچھا کہ کیا آپ کے ساتھ بھی کوئی ہے۔ جبرئیل نے کہا کہ ہاں میرے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ اُس نے کہا کہ کیا اُنہیں بُلایا گیا ہے۔ جبرئیل نے جواب دیا کہ ہاں۔ پس جب اس نے دروازہ کھولا تو ہم آسمانِ دنیا پر چڑھ گئے۔ یکایک ایک ایسے شخص پر نظر پڑی جو بیٹھا ہوا تھا اور اس کے دائیں جانب بھی گروہ در گروہ لوگ تھے اور بائیں جانب بھی۔ جب وہ اپنی دائیں جانب دیکھتا تو ہنس دیتا اور جب اپنی بائیں جانب دیکھتا تو رو پڑتا۔ پس اس نے (میری طرف دیکھا تو) کہا کہ خدا کشادگی عنایت کرے نیک نبیؐ کو اور نیک بیٹے کو۔ میںؐ نے جبرئیلؑ سے کہا کہ یہ

صاحب کون ہیں۔ اُس نے کہا کہ یہ آدمؑ ہیں اور یہ گروہ در گروہ لوگ جو ان کے دائیں اور بائیں جانب ہیں یہ اُن کی اولاد کی روحیں ہیں۔ ان میں جو دائیں جانب والے ہیں وہ جنتی ہیں اور جو گروہ ان کی بائیں جانب ہیں وہ دوزخی ہیں۔ اس لیے جب یہ اپنی دائیں جانب نظر کرتے ہیں تو (خوشی کے باعث) ہنس پڑتے ہیں۔ اور جب اپنی بائیں جانب نگاہ ڈالتے ہیں تو (صدمے کے باعث) رو دیتے ہیں۔

(پھر جبرئیلؑ مجھے لے کر چلے) یہاں تک کہ مجھے دوسرے آسمان تک چڑھا لے گئے، پھر اُس کے داروغہ سے کہا کہ (دروازہ) کھول دے۔ تو اُس کے داروغہ نے بھی جبرئیلؑ سے ویسی ہی باتیں کیں جیسی پہلے داروغہ نے کی تھیں۔ پھر اُس نے دروازہ کھول دیا۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت ابوذرؓ نے (جو اس قصے کے راوی ہیں) ذکر کیا کہ (پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یکے بعد دیگرے مختلف) آسمانوں (پر چڑھتے گئے اور اُن) میں آپؐ نے حضرت آدمؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کو پایا۔ اُنہوں نے یہ بیان نہ کیا کہ ان پیغمبروں کے درجے کیسے تھے۔ ہاں اتنا کہا کہ حضورؐ نے حضرت آدمؑ کو آسمانِ دنیا پر پایا اور حضرت ابراہیمؑ کو چھٹے آسمان پر۔ (پھر حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب جبرئیلؑ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر حضرت ادریسؑ کے پاس سے گزرے تو حضرت ادریسؑ نے فرمایا کہ خدا کشادگی عنایت فرمائے نیک نبیؐ کو اور نیک بھائی کو۔

(آگے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پھر واقعے کو خود بیان فرماتے ہیں کہ) میںؐ نے (جبرئیلؑ سے) کہا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ ادریسؑ

ہیں۔ پھر میں موسیٰؑ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے (بھی) کہا کہ خدا کشادگی عنایت فرمائے نیک نبیؐ کو اور نیک بھائی کو۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ موسیٰؑ ہیں۔ پھر میں عیسیٰؑ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے (بھی ویسے ہی) کہا کہ خدا کشادگی عنایت فرمائے نیک نبیؐ کو اور نیک بھائی کو۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ عیسیٰؑ ہیں۔ پھر میں ابراہیمؑ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے (بھی) کہا کہ خدا کشادگی عنایت فرمائے نیک نبیؐ کو اور نیک بیٹے کو۔ میں نے کہا کہ یہ کون ہیں۔ جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ ابراہیمؑ ہیں..... پھر جبرئیلؑ مجھے اوپر چڑھا لے گئے یہاں تک کہ میں بلند ہو کر ایک ہموار میدان میں پہنچا۔ وہاں مجھے (فرشتوں کے) قلموں (کے چلنے) کی آواز سنائی دے رہی تھی.....

..... پھر خدائے بزرگ و برتر نے میری اُمت پر پچاس نمازیں فرض کیں اور میں یہ (فریضہ) لے کر واپس لوٹا، یہاں تک کہ میں موسیٰؑ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے پوچھا کہ اللہ نے آپؐ کی اُمت پر کیا فرض کیا ہے۔ میں نے کہا کہ پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپؐ اپنے رب کی طرف واپس جائیے (اور کمی کرنے کی درخواست کیجئے، کیونکہ) آپؐ کی اُمت (پچاس نمازیں پڑھنے کی) طاقت نہیں رکھتی۔ پس میں لوٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کا ایک حصّہ معاف کر دیا۔ پھر میں پلٹ کر موسیٰؑ کی طرف آیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حصّہ معاف کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپؐ (پھر) اپنے رب کی طرف لوٹ جائیے (اور مزید کمی کرنے کی درخواست کیجئے، کیونکہ) آپؐ کی اُمت اتنی (نمازوں) کی (بھی) طاقت نہیں رکھتی۔ (چنانچہ) میں پھر لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کا ایک (اور) حصّہ معاف کر دیا۔ پھر میں موسیٰؑ کے

پاس لوٹ کر آیا تو انہوں نے کہا کہ آپؐ (پھر) اپنے رب کی طرف لوٹ جایئے (اور اس سے مزید کمی کرنے کی درخواست کیجیے، کیونکہ) آپؐ کی اُمّت اس کی (بھی) طاقت نہیں رکھتی (چنانچہ) میںؐ پھر لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اچھا اب) یہ پانچ (رکھی جاتی) ہیں مگر (ثواب کے لحاظ سے) یہ پچاس ہی ہیں، میرے ہاں بات بدلی نہیں جایا کرتی۔ (اس لیے اگرچہ عدد کم کرکے پانچ کر دیا گیا ہے، مگر یہ پانچ نمازیں پڑھنے سے ثواب پچاس نمازوں ہی کا ہوگا) پھر میں لوٹ کر موسیٰؑ کے پاس آیا تو انہوں نے (پھر) کہا کہ آپؐ اپنے رب کی طرف لوٹ جایئے (اور مزید کمی کی درخواست کیجیے) مگر میںؐ نے کہا کہ (اب) مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے ..... (بخاری)

اس طرح رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے معراج کے موقع پر آپؐ کی اُمّت کے لیے نماز پنجگانہ فرض ہوئی اور جب وہ فرض ہو گئی تو پھر اُسے وہ رتبہ حاصل ہو گیا کہ اُسے کفر اور اسلام کے درمیان ایک آڑ قرار دیا گیا۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا کہ انسان اور کفر و شرک کے درمیان نماز کا ترک کرنا ہے۔ (مسلم)

مراد یہ ہے کہ جب انسان نماز ترک کر دیتا ہے تو اس کے کافر اور مشرک ہو جانے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی اور وہ اس خطرے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ کسی وقت بھی کفر و شرک اختیار کر لے گا۔

نماز کے لیے اصل عربی لفظ "صلوٰۃ" ہے اور صلوٰۃ کا مطلب ہے رُخ کرنا، بڑھنا، قریب ہونا، دعا کرنا۔ تو گویا نماز ایک التجا اور دعا ہے جو ہم

اللہ رب العلمین سے کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں لفظ صلوٰۃ کم و بیش ۷۷ دفعہ استعمال ہوا ہے اور ویسے نماز کا ذکر تو اس سے بہت زیادہ دفعہ ہوا ہے سورۃ البقرہ آیت ۴۳ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ۔

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں اُن کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔"

ایسے ہی سورۃ الحج آیت ۷۸ میں ارشاد ہوا ہے:

..... فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ؕ ھُوَ مَوْلٰکُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۝

"پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ وہ ہے تمہارا مولیٰ، پس وہ کیا ہی اچھا مولا ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔"

حُرَیث بن قَبِیصَہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا تو میں نے دعا کی کہ اے خدا مجھے کوئی نیک ہمنشین عطا فرما۔ پھر میں حضرت ابوہریرہؓ کے پاس بیٹھ گیا اور اُن سے عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ مجھے نیک ہمنشین عطا فرمائے تو آپ مجھے مل گئے ہیں پس آپ مجھ سے کوئی حدیث بیان کیجئے جو آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہو۔ شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مجھے نفع دے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلی چیز جس کا قیامت کے دن محاسبہ ہوگا اس کی نماز ہوگی۔ اگر نماز اچھی ہوئی تو وہ مراد کو پہنچا اور کامیاب ہوا اور اگر نماز خراب ہوئی تو نقصان میں رہا اور نامراد ہوا۔ پھر اگر فرض نماز میں کچھ کمی رہی ہوگی تو پروردگار

تبارک وتعالیٰ فرمائے گا کہ دیکھو کیا میرے بندے کے پاس کوئی نفل ہے (اگر کوئی نفل ہوگا) تو فریضے کی کمی نفل سے پوری کر دی جائے گی۔ پھر تمام اعمال کے معاملے میں ایسا ہی ہوگا۔ (ترمذی)

اگرچہ شریعت کے احکام عموماً اسی وقت عائد ہوتے ہیں جب انسان بالغ ہو جائے تاہم جہاں تک نماز کا تعلق ہے بچّوں کے بارے میں بھی تلقین فرمائی گئی ہے کہ انہیں نماز پڑھائی جائے تاکہ بالغ ہونے تک وہ اس کے عادی ہو جائیں۔

رَبیع بن سَبُرَہ اپنے باپ سے اور وہ اُن کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب بچّہ سات سال کا ہو جائے تو اُسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے (اور نماز نہ پڑھتا ہو) تو اُسے اس پر مارو۔ (ابوداؤد)

نماز کی اہمیّت اسی سے ظاہر ہے کہ سفر، بیماری، حد یہ کہ میدان جنگ میں بھی اسے معاف نہیں کیا گیا۔ بیمار اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے، بیٹھ بھی نہیں سکتا تو لیٹ کر پڑھ لے، رکوع سجدہ نہیں کر سکتا تو اشارے ہی سے پڑھ لے مگر پڑھے ضرور۔ ایسے ہی اگر پانی حاصل نہ کیا جا سکتا ہو یا بیماری کے باعث پانی کا استعمال مضر ہو تو مٹّی کے ساتھ تیمم کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے مگر معافی نہیں ہے۔

اسی طرح سفر میں نماز آدھی ہو جاتی ہے یعنی چار فرضوں کے بجائے دو فرض پڑھے جاتے ہیں مگر معاف نہیں ہوتی۔ میدانِ جنگ میں بھی نماز کی معافی نہیں دی گئی۔ حکم ہے کہ فوج کے دو حصّے کر لیے جائیں۔ پہلے ایک حصّہ نماز پڑھے اور دوسرا دشمن کے مقابلے میں چوکس رہے، اور پھر دوسرا حصّہ نماز پڑھے اور پہلا ڈیوٹی

پر کھڑا ہے۔

ہاں اگر کوئی ایسی ہی صورت حالات پیش آجائے کہ کسی صورت بھی نماز نہ پڑھی جاسکتی ہو تو پھر بعد میں اس کی قضا پڑھنا ضروری ہے۔ جنگ خندق کے دوران جب کافروں نے مدینہ منورہ کو محاصرے میں لے رکھا تھا، ایک دن حضرت عمرؓ عصر کی نماز ادا نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ وہ قریش کے کافروں کو برا بھلا کہتے حضورؐ کی خدمت میں آئے اور بتایا کہ میں عصر نہیں پڑھ سکا۔ اس پر حضورؐ نے بتایا کہ میں نے بھی ابھی عصر نہیں پڑھی۔ پھر غروب آفتاب کے بعد آپؐ نے پہلے عصر کی قضاء ادا کی اور پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

قضاء کا حکم صرف انہیں نمازوں کے لیے نہیں جو میدانِ جنگ میں رہ گئی ہوں بلکہ جس وجہ سے بھی نماز فوت ہو جائے بعد میں اس کی قضا پڑھنا ضروری ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کوئی نماز (پڑھنی) بھول جائے، جب اسے یاد آئے تو اسے پڑھ لے۔ اس کا یہی کفارہ ہے ..... (بخاری)

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ تربیت رہنے کے باعث صحابۂ کرامؓ نماز کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ سخت سے سخت تکلیف کی حالت میں بھی نماز قضاء نہیں کرتے تھے۔ جس دن حضرت عمرؓ کو وہ زخم لگا جس سے پھر آپؓ جانبر نہ ہو سکے، اس رات کی صبح کو لوگوں نے نماز کے لیے جگایا تو فرمایا کہ "ہاں، جو شخص نماز چھوڑے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں"۔ پھر اسی حالت میں نماز ادا کی۔

بنو امیہ کے صالح اور خدا پرست خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نماز کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ آپ نے اپنے تمام گورنروں کے نام ایک فرمان بھیجا جس کے الفاظ یہ تھے۔

"نماز کے وقت تمام کام چھوڑ دو کیونکہ جس شخص نے نماز کو ضائع کیا وہ اور فرائضِ اسلام کا سب سے زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔"

سرسید احمد خاں کے ساتھیوں میں سے ایک منشی مشتاق حسین کسی کلکٹر کی پیشی میں تھے۔ وہ نماز کے بہت پابند تھے اور نماز کے وقت دفتر سے اُٹھ جاتے تھے۔ اتفاق سے ایک نیا کلکٹر آیا تو اس نے اُنہیں ایسا کرنے سے روکا۔ اس پر منشی مشتاق حسین نے ایک عرضی پیش کی کہ میرے اوپر نماز فرض ہے، میں اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اس لیے اس کی اجازت ملنی چاہیے۔ اگر اجازت نہ دی جائے تو مجھے چھ ماہ کی چھٹی دے دی جائے۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو میرا استعفیٰ منظور کیا جائے۔ اس درخواست پر کلکٹر نے چھ ماہ کی رخصت منظور کر دی۔ جب سرسید کو اس واقعے کا پتہ چلا تو اُنہوں نے منشی مشتاق حسین کو لکھا کہ ایک مذہبی فریضہ ادا کرنے کے لیے یہ اگر مگر مجھے پسند نہیں آئی۔ تڑاق پڑاق استعفیٰ دینا تھا اور صاف صاف کہہ دینا تھا کہ میں خدا کا حکم مانوں گا اور نماز ضرور پڑھوں گا۔ اس سے کیا ہوتا۔ نوکری جاتی رہتی؟ فاقوں مر جاتے؟ نہایت اچھا ہوتا!

سرسید ہی کا ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُن کے ایک عزیز نے ایک متعصب افسر کے اعتراض کرنے پر نماز پڑھنا چھوڑ دیا۔ سرسید کو پتہ چلا تو اُسے لکھا کہ "نماز پڑھنا فرض ہے۔ ہم اپنی شامتِ اعمال سے اُسے اچھی طرح ادا نہ کریں یا قضا کریں تو اور بات ہے لیکن اگر کوئی شخص حکماً ہمیں پڑھنے سے روکے تو اس کا صبر ایک لمحہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ بات سُنی بھی نہیں جا سکتی۔"

خط کے آخر میں لکھا۔ "تمہیں صاف کہہ دینا تھا کہ میں اپنے خدا کے حکم کی اطاعت ضرور کروں گا اور اگر اس پر بھی حاکم نہ مانتا تو نوکری چھوڑ دیتے، نماز نہ چھوڑتے۔"

صلحائے اُمّت کے نزدیک نماز کا وہ مقام رہا ہے کہ ایک وقت کی نماز کا

قضاء ہو جانا بھی اُن کے نزدیک بہت ہی بڑی بدقسمتی اور مصیبت ہوتی تھی۔

شیخ شرف الدین احمد منیریؒ نے ایک دن علی الصبح سرد پانی سے غسل کیا۔ طبیعت کمزور تھی۔ سرد پانی برداشت نہ کر سکے اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو فجر کا وقت گزر چکا تھا۔ باوجود اس کے کہ انہوں نے ارادتاً نماز قضاء نہیں کی تھی بلکہ بیہوشی کے باعث قضاء ہوئی تھی۔ آپ کو اس سے اتنا شدید صدمہ پہنچا کہ بار بار اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرماتے تھے۔

"جیسا مجاہدہ اور ریاضت میں نے کی ہے اگر پہاڑ نے کی ہوتی تو پانی ہو جاتا لیکن افسوس شرف الدین کچھ نہ ہوا!"

نماز کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس میں وہ ہر روز پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا تمہارے خیال میں یہ نہانا اُس کے (جسم پر) میل کو باقی رہنے دے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ (یہ نہانا) اُس کے میل کو باقی نہیں رہنے دے گا حضورؐ نے فرمایا کہ پانچ نمازوں کی یہی مثال ہے۔ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے (جیسے کہ پانچ مرتبہ نہانے سے جسم کا میل ختم ہو جاتا ہے) (بخاری)

امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ انہیں یہ خبر پہنچی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیدھی راہ پر رہو (سیدھی راہ پر رہنے کا اتنا بے حساب ثواب ہوگا کہ) تم ہرگز اُس کا شمار نہیں کر سکو گے اور (اچھا) عمل کرو اور تمہارے اعمال میں سے بہترین عمل نماز ہے ..... (مؤطا)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے ..... (بخاری)

عبداللہ بن بُسرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمّت قیامت کے دن سجدوں کے باعث حسین اور روشن چہرے والی ہو گی اور وضو کے باعث سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والی ہو گی۔ (ترمذی)

صحیح مسلم میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لمبی سی حدیث بیان ہوئی ہے جس میں آپؐ نے آخرت کے بہت سے احوال بیان فرمائے ہیں۔ اسی میں حضورؐ نے یہ بھی بتایا ہے کہ دوزخ کی آگ دوزخی کے سارے بدن کو جلا دے گی، لیکن اگر وہ دوزخی نماز پڑھا کرتا تھا تو آگ سجدے کے نشان کو نہیں جلائے گی، کیوں کہ سجدے کے نشان کو جلانا دوزخ پر حرام کر دیا گیا ہے۔

حضرت عثمانؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جو شخص وضو کرتا ہے اور اچھی طرح کرتا ہے، پھر نماز پڑھتا ہے تو خدا اُس کے وہ گناہ بخش دیتا ہے جو اس نماز سے لے کر اُس سے قریب والی نماز تک ہوتے ہیں۔ (مسلم)

حضرت ابو اُمامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز پڑھنا اور ان (دونوں) کے درمیان کوئی بیہودہ کام نہ کرنا ایسا عمل ہے جو علیین میں لکھا جاتا ہے۔ (ابو داؤد)

لفظ علیین کے بارے میں بعض علماء نے بتایا ہے کہ یہ ایک مقام ہے، جو ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ علیین فرشتوں کا ایک دفتر ہے جس میں نیک اعمال لکھے جاتے ہیں ــــ بہر صورت کسی عمل کا علیین میں لکھا جانا بہت بڑا اعزاز ہوگا۔

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رات کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہا کرتا تھا اور آپؐ کے پاس آپؐ کے وضو کا پانی اور آپؐ کی دوسری ضرورت کی چیزیں لایا کرتا تھا۔ آپؐ نے مجھے فرمایا کہ مانگ (کیا مانگتا ہے) میں نے عرض کیا کہ میں جنت میں آپؐ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کے علاوہ اور کچھ؟ میں نے عرض کیا کہ بس یہی۔ اس پر آپؐ

نے فرمایا کہ پھر کثرت سے سجدے کر کے اپنے معاملے میں میری مدد کر۔ (مسلم)
آپؐ کے اس فرمان کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ تو زیادہ نمازیں پڑھ تاکہ تو اس قابل ہو جائے کہ میں آسانی سے تیری سفارش کر سکوں۔

مَعْدان بن ابی طلحہ یعمریؒ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبانؓ سے ملا اور ان سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ میں اُسے کروں تو اللہ اس کے باعث مجھے جنت میں داخل کر دے ۔ یا (مَعْدان نے یوں) بیان کیا کہ میں نے کہا کہ (مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے) جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ اس پر ثوبانؓ خاموش رہے۔ میں نے پھر اُن سے پوچھا۔ پھر وہ خاموش رہے۔ میں نے پھر تیسری دفعہ ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پوچھی تھی تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ تجھ پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بکثرت سجدے کیا کر کیونکہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے جو سجدہ بھی کرے گا اس سے اللہ تیرا ایک درجہ بڑھائے گا اور تیرا ایک گناہ معاف فرمائے گا ۔ مَعْدان کہتے ہیں کہ پھر میں (حضورؐ کے صحابی) حضرت ابوالدرداءؓ سے ملا اور اُن سے (بھی) وہ بات پوچھی (جو ثوبانؓ سے پوچھی تھی) تو انہوں نے (بھی) مجھے وہی بات بتائی جو ثوبانؓ نے بتائی تھی۔ (مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ دو بھائی تھے۔ اُن میں سے ایک دوسرے سے چالیس دن پہلے مر گیا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہلے مرنے والے کی تعریف بیان کی گئی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ کیا دوسرا مسلمان نہ تھا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یا رسول اللہؐ (مسلمان ہی تھا) اور اُس میں بھی کوئی بُرائی نہیں تھی۔ اس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ تم کیا جانو کہ اُس کی نماز نے (جو اس نے پہلے بھائی سے چالیس دن زیادہ پڑھی) اُسے کس درجے پر پہنچا دیا ہو (اور حضورؐ نے فرمایا کہ) نماز کی مثال تو ایک گہری میٹھے پانی والی نہر کی سی ہے جو تم میں سے کسی کے دروازے پر بہتی ہو اور وہ دن میں پانچ مرتبہ اس میں غوطہ لگایا کرے کیا ایسا کرنے سے اس کے بدن پر کوئی میل باقی رہے گا؟ — پس تم کیا جانو کہ اُس (دوسرے بھائی) کی (چالیس دن کی زائد) نماز نے اُسے کس رُتبے پر پہنچا دیا ہو۔ (مؤطّا)

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس کا ایک حصّہ درج ذیل ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ

میں نے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سنا کہ خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر لیا ہے اور میرا بندہ جو کچھ مانگے گا اُس کو ملے گا۔ پس جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے) تو اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی۔

اور جب بندہ کہتا ہے کہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (نہایت رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے) تو خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا کی۔

اور جب بندہ کہتا ہے مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ (جزا کے دن کا مالک ہے) تو اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی — اور ایک دفعہ آپؐ نے (یوں بھی فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے کہ) میرے بندے نے (اپنے سب امور) میرے سپرد کر دیے۔

پس جب بندہ کہتا ہے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہم تیری ہی عبادت

کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے نے جو کچھ مانگا ہے اسے ملے گا۔

پھر جب بندہ کہتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (دکھا ہمیں سیدھی راہ، اُن لوگوں کی راہ جن پر تُو نے انعام فرمایا، جن پر تیرا غضب نازل نہ ہوا اور جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے نے جو کچھ مانگا ہے اسے ملے گا ..... (مسلم)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو بتایا کہ ہر انسان کے ساتھ خدا کے کچھ فرشتے لگے رہتے ہیں جو اس کے اچھے اعمال بھی لکھتے رہتے ہیں اور بُرے اعمال بھی، اور اس طرح زندگی بھر انسان کا اعمالنامہ تیار ہوتا رہتا ہے۔ ان فرشتوں کے متعلق حضورؐ نے یہ بھی اطلاع دی کہ اُن کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں۔ کچھ فرشتے صبح سے عصر تک رہتے ہیں اور کچھ عصر سے لے کر دوسرے دن کی صبح تک۔ صبح سے عصر تک رہنے والے عصر کے وقت ابھی اُوپر گئے نہیں ہوتے کہ عصر سے دوسرے دن کی صبح تک رہنے والے بھی آجاتے ہیں اور اس طرح عصر کے وقت یہ سب کچھ دیر کے لیے جمع ہو جاتے ہیں اور اُس کے بعد صبح سے عصر تک رہنے والے اُوپر چلے جاتے ہیں۔ پھر دوسرے دن فجر کے وقت عصر سے فجر تک رہنے والے ابھی اُوپر نہیں گئے ہوتے کہ فجر سے عصر تک رہنے والے بھی آجاتے ہیں اور اس طرح فجر کے وقت بھی یہ سب کچھ دیر کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد پھر وہ جو عصر سے صبح تک رہے ہوتے ہیں اُوپر خدا کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اس طرح جب یہ فرشتے باری باری اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے اپنے بندوں کا حال دریافت کرتا ہے۔ اب

اگر وہ انسان نمازی ہوتا ہے اور جس وقت فرشتے آتے اور جاتے ہیں، اس وقت وہ فجر یا عصر کی نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو وہ خدا کے حضور میں یہی گواہی دیتے ہیں کہ ہم گئے تھے تو وہ نماز پڑھ رہا تھا اور اب آئے ہیں تو اب بھی وہ نماز ہی پڑھ رہا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے تم میں باری باری آتے ہیں اور فجر اور عصر کی نماز میں یہ (سب) جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ جو (اس وقت تک) تم میں رہے ہوتے ہیں، اوپر چڑھ جاتے ہیں اور اُن کا رب ان سے سوال کرتا ہے، حالانکہ وہ خود اپنے بندوں کے حال سے خوب واقف ہوتا ہے (تاہم وہ آنے والے فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ) تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے انہیں اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم اُن کے پاس گئے تھے تب بھی وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔

(بخاری)

اس حدیث میں فجر اور عصر کی فضیلت کے علاوہ یہ سبق بھی ملتا ہے کہ یہ دونوں نمازیں جلدی پڑھ لینی چاہئیں تاکہ آنے والے فرشتے بھی ہمیں حالت نماز ہی میں پائیں اور جانے والے بھی ہمیں نماز ہی کی حالت میں چھوڑ کر جائیں۔

سنتوں اور وتروں کی فضیلت

واضح رہے کہ نماز کی رکعات مختلف اقسام میں بٹی ہوئی ہیں۔ بعض رکعات فرض ہیں، بعض سنت، بعض وتر اور بعض نفل۔ فرض رکعات تو از حد ضروری ہیں اور کسی صورت نہیں چھوڑی جا سکتیں اور نفل رکعت کا پڑھنا یا نہ پڑھنا مرضی پر منحصر ہے اگر پڑھی جائیں گی تو بہت زیادہ ثواب ہوگا اور اگر نہ پڑھی جائیں تو گناہ

نہیں ہوگا۔ وتروں کی تاکید آئی ہے کہ وہ ضرور پڑھے جائیں اور سنتیں دو حصّوں میں بٹی ہوئی ہیں، مؤکّدۃ اور غیر مؤکّدۃ۔ مؤکّدہ سنتیں وہ ہیں جن کے پڑھے جانے کی تاکید کی گئی ہے اور غیر مؤکّدہ وہ ہیں جنہیں پڑھنا باعث ثواب ہے مگر انہیں پڑھنے کی تاکید نہیں کی گئی، اگر نہ بھی پڑھی جائیں گی تو حرج واقع نہ ہوگا۔ مؤکّدہ سنّتوں کی تعداد بارہ ہے۔ دو صبح کی نماز میں، چھ ظہر کی نماز میں، دو مغرب کے فرضوں کے بعد اور دو عشاء کے فرضوں کے بعد۔ احادیث میں جیسے فرض نمازوں کی فضیلت بیان ہوئی ہے اسی طرح سنتوں اور وتروں کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے کہ انہیں پڑھنا بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وتر پڑھا اور پھر فرمایا کہ اے قرآن والو، وتر پڑھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود وتر ہے (یعنی ایک ہے اور) وتر کو پسند فرماتا ہے۔ (نسائی)

وتر طاق عدد کو کہتے ہیں۔ ایک، تین، پانچ، سات وغیرہ یہ سب طاق عدد ہیں جو دو پر پورے پورے تقسیم نہیں ہو سکتے۔ اب اللہ تعالیٰ چونکہ ایک ہونے کے باعث طاق ہے اس لیے حضورؐ نے فرمایا کہ خدا خود "وتر" ہے اور چونکہ خود وتر ہے اس لیے وتر کو پسند فرماتا ہے۔

حضرت اُمِّ حبیبہؓ بتاتی ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایک دن رات کے دوران بارہ رکعت (سُنّتیں) پڑھیں اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا (یعنی) چار رکعت ظہر (کے فرضوں) سے پہلے اور دو رکعتیں ان کے بعد اور دو رکعتیں مغرب (کے فرضوں) کے بعد اور دو رکعتیں عشاء (کے فرضوں) کے بعد اور دو رکعتیں اگلی صبح کی نماز (کے فرضوں) سے پہلے۔

(ترمذی)

غرضیکہ نماز وہ عبادت ہے جو بے پناہ فضیلت کی حامل ہے اور اس شخص کی بے نصیبی کا کوئی ٹھکانا نہیں جو محض سستی اور لاپروائی کے باعث نہ صرف یہ کہ اتنی فضیلت کھو بیٹھتا ہے بلکہ الٹا مجرموں میں شامل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں۔ "جو مسلمان پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا ہے خدا تعالیٰ خود اس کا محافظ ہوتا ہے اور جو اللہ کی حفاظت میں آ گیا اُسے کوئی نہیں مار سکتا۔"

وضو کی فضیلت سورۃ المائدہ آیت ۶ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ

(اے ایمان والو جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لو، اپنے سروں پر ہاتھ پھیر لو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھو لو۔)

اس آیت پاک نے وضو کو فرض کر دیا ہے اور جب تک اس فرض کو پورا نہ کر لیا جائے فریضۂ نماز ادا نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی نماز پاکی کے بغیر قبول نہیں ہوتی، نہ خیانت کے مال سے کی ہوئی خیرات قبول ہوتی ہے۔ (ترمذی)

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ نماز کو جس شے نے مشکل بنا رکھا ہے وہ وضو ہے اگر وضو نہ ہوتا تو پانچ سے زیادہ نمازیں بھی پڑھی جا سکتی تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر زندگی میں کوئی فضیلت حاصل کرنی ہو تو اسے مشکلات میں سے

گزرے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ پھر وضو بھی ہر موسم میں مشکل نہیں ہوتا۔ موسم گرما میں تو بار بار ہاتھ منہ دھونے سے نہ صرف یہ کہ تکلیف نہیں ہوتی بلکہ ایسا کرنا خوشگوار ہوتا ہے۔ البتہ جاڑوں میں وضو کرنا خصوصاً صبح اور عشاء کے وقت بلاشبہ مشکل کام ہے لیکن اُس صورت میں بھی اگر ہم اس اجر و ثواب اور فضیلت کو پیش نظر رکھیں جو وضو کے باعث حاصل ہوتی ہے تو اس کے مقابلے میں یہ تھوڑی سی سردی کی تکلیف قطعی ناقابلِ اعتنا لگتی ہے۔

عبداللہ صُنابحی بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن بندہ وضو (شروع) کرتا ہے تو (جب) کُلّی کرتا ہے تو اُس کے مُنہ سے گناہ نکل جاتے ہیں اور جب ناک میں پانی ڈالتا ہے تو اُس کی ناک سے گناہ نکل جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے گناہ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کی پلکوں کے اُگنے کی جگہوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے گناہ نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُس کے ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر سے گناہ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے کانوں سے بھی نکل جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں سے گناہ نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں (اس کے بعد آپؐ نے) فرمایا کہ پھر اُس کا مسجد کی طرف چلنا اور اُس کا نماز پڑھنا اُس کے لیے الگ ثواب لاتا ہے۔ (مؤطا)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان گئے اور کہا۔ "السلام علیکم اے مومنوں کی قوم، اور انشاء اللہ ہم بھی تم سے

ملنے والے ہیں"۔

(پھر فرمایا) "میری تمنا تھی کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتا"۔ صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ کیا ہم آپؐ کے بھائی نہیں ہیں؟" آپؐ نے فرمایا کہ "تم بھائیوں سے بڑھ کر (ہو تم تو) میرے اصحاب ہو۔ اور بھائی میرے وہ ہیں جو ابھی دنیا میں نہیں آئے اور میں حوض (کوثر) پر اُن کا پیش خیمہ ہوں گا (کہ اُن سے پہلے وہاں پہنچ کر اُن کی پیاس بجھانے کا سامان کروں گا)"۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ، آپؐ کیسے پہچانیں گے اپنی اُمت کے اُن لوگوں کو جو آپؐ سے بعد آئیں گے"۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے بتاؤ کہ اگر کسی شخص کے سفید پیشانی اور سفید پاؤں والے گھوڑے خالص مشکی گھوڑوں میں مل جائیں تو کیا وہ اپنے گھوڑے پہچان نہ لے گا"۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یا رسول اللہؐ (ضرور پہچان لے گا) آپؐ نے فرمایا "بس وہ (میرے بعد آنے والے میرے بھائی) قیامت کے دن اس طرح آئیں گے کہ وضوء (کرتے رہنے) کے باعث اُن کے چہرے اور ہاتھ پاؤں سفید چمکدار ہوں گے اور میں حوضِ (کوثر) پر اُن کا پیش خیمہ ہوں گا۔ تو ایسے نہ ہو کہ (مسلمانوں میں سے) کوئی شخص (جس نے میرے بعد میری سنّت کو بدل دیا تھا، اپنی اس خطا کے باعث) میرے حوض سے پرے ہنکا دیا جائے جیسے کہ (کسی کے) گُم شدہ اُونٹ کو (جو اپنے اونٹوں میں آ ملا ہو) پرے ہنکا دیا جاتا ہے۔ پھر میں انہیں (اپنے سمجھ کر) کہوں گا کہ اِدھر آؤ، اِدھر آؤ، اِدھر آؤ اور (مجھے) بتایا جائے گا کہ ان لوگوں نے تو آپؐ کے بعد (آپؐ کی سُنّت کو) بدل دیا تھا، تو پھر (یہ بات سُن کر) میں کہنے لگوں گا کہ دُور ہو جاؤ، دُور ہو جاؤ، دُور ہو جاؤ۔ (مؤطا)

حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے وضو کیا اور بہت اچھی طرح سے وضو کیا اور پھر کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اُس کے لیے بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے کہ جس دروازے سے چاہے اندر داخل ہو جائے۔ (نسائی)

وضو کی تاکید اور فضیلت کو ذہن نشین کرنے کے ساتھ ہی یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اگر انسان کسی ایسی جگہ ہو جہاں پانی نہ ملتا ہو یا اُسے کوئی ایسی تکلیف ہو کہ پانی استعمال کرنے سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو پھر اُسے اجازت ہے کہ پانی سے وضو کرنے کے بجائے پاک مٹی سے تیمم کرے۔ مجبوری کے وقت مٹی سے تیمم کر لینے سے انسان اُسی طرح نماز پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے جس طرح وضو کرنے سے۔ ذیل کی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ تیمم کی رخصت کب اور کن حالات میں دی گئی تھی۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی سفر میں آپؐ کے ساتھ نکلے۔ یہاں تک کہ جب ہم بَیْدَاء یا ذَاتُ الْجَیْش کے مقام پر پہنچے تو میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر گر گیا، تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اُسے تلاش کرنے کے لیے ٹھہر گئے اور آپؐ کے ساتھ دوسرے لوگ بھی ٹھہر گئے۔ وہاں پانی نہیں تھا اور نہ صحابہؓ کے ساتھ پانی تھا۔ لوگ (پریشان ہو کر) حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے دیکھا ہے کہ عائشہؓ (صدیقہ) نے کیا کیا ہے۔ اُنہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ساتھ باقی لوگوں کو (بھی) ٹھہرا دیا ہے اور یہاں پانی نہیں ہے اور نہ ہمارے ساتھ پانی ہے۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ آئے اور اُس وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے سرِ مبارک کو میرے زانوں پر رکھے سوئے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا کہ تم نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگوں کو ٹھہرا لیا ہے اور یہاں پانی نہیں، نہ اُن کے ساتھ پانی ہے۔ غرضکہ وہ مجھ پر غصے ہوئے اور جو کچھ خدا کو منظور ہوا مجھے کہا اور (مارے غصّے کے) اپنے ہاتھ سے میرے پہلو میں کونچے دینے لگے اور مجھے حرکت کرنے سے صرف یہ بات روکے ہوئے تھی کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ مبارک میرے زانو پر تھا۔ اسی دوران میں صبح ہو گئی اور پانی موجود نہیں تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آیت تیمّم نازل فرمائی (اور پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کر لینے کی اجازت دے دی گئی) اس پر اُسیدؓ بن حُضیر نے، جو ایک نقیب تھے (خوش ہو کر) کہا:

"اے ابوبکرؓ کی اولاد، یہ کوئی تمہاری پہلی برکت نہیں ہے!" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے اس اُونٹ کو کھڑا کیا جس پر میں سوار تھی تو ہار اُس کے نیچے سے نکل آیا۔ (مسلم)

اس روایت میں حضرت اُسیدؓ بن حُضیر نے یہ جو فرمایا کہ اے ابوبکرؓ کی اولاد، یہ کوئی تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔ اُس سے اُن کی مراد یہ تھی کہ اس سے پہلے بھی خدا تمہارے ذریعے مسلمانوں پر کئی برکتیں نازل کر چکا ہے۔ تیمّم کا حکم آنے سے چونکہ مسلمانوں کو بہت آسانی حاصل ہو گئی، اس لیے اسے "برکت" فرمایا۔ یہ واقعہ مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی سہولت کا ذریعہ بن گیا جو انہیں قیامت تک کے لیے حاصل ہو گئی ہے۔ ویسے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تیمّم کی اجازت صرف مجبوری کے لیے ہے اگر مجبوری نہ ہو تو وضوء نماز کی شرائط میں سے ہے اور اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

تہجّد کی فضیلت

سیرۃ النبیؐ اور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم صرف پانچ فرض نمازیں ہی ادا نہیں کرتے تھے بلکہ آپؐ مختلف اوقات میں نفل نمازیں بھی ادا کرتے تھے۔ ان نفل نمازوں میں جس نماز کو سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے، وہ تہجّد کی نماز ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ رمضان کے بعد روزہ رکھنے کے لیے سب سے زیادہ افضل مہینہ محرم کا ہے اور فرض نمازوں کے بعد سب سے زیادہ افضل نماز رات کی نماز (یعنی تہجّد) ہے۔ (نسائی)

تہجّد کا مطلب ہے نیند توڑ کر اُٹھنا۔ لہٰذا رات کو کچھ دیر سونے کے بعد اُٹھ کر جو نماز پڑھی جاتی ہے اُسے تہجّد کہا جاتا ہے۔ تہجّد کا وقت نمازِ عشاء کا وقت ختم ہونے سے لے کر نمازِ فجر کا وقت شروع ہونے تک ہوتا ہے۔ سورۃ المزمّل کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝	اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لو، یا اُس سے کچھ زیادہ بڑھا دو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

ایسے ہی سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۹ میں تلقین فرمائی گئی ہے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝	اور رات کو تہجّد پڑھو۔ یہ آپ کے لیے نفل ہے۔ بعید نہیں کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پہ فائز کر دے۔

اسی طرح سورۃ الفرقان میں آیت ۶۳ سے آیت ۷۴ تک خدا کے نیک بندوں کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ ایسے اور ایسے ہوتے ہیں اور یہ اور یہ نیک عمل کرتے ہیں۔ اسی کے ضمن میں اُن کی ایک صفت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ:

..... يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ — اس طرح راتیں گزارتے ہیں کہ اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کرتے رہتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر رات جب رات کی پہلی تہائی گزر جاتی ہے تو خدائے بزرگ و برتر آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ندا کرتا ہے کہ میں ہوں بادشاہ، کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اُسے عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے بخشش مانگے تو میں اسے بخش دوں۔ پس خدائے بزرگ و برتر یہی ندا فرماتا رہتا ہے یہاں تک کہ فجر روشن ہو جاتی ہے۔ (ترمذی)

حضرت عمروؓ بن عَبَسَہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ اللہ اپنے بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری حصے میں ہوتا ہے۔ پس اگر تجھ سے ہو سکے تو تو اُن لوگوں میں سے ہو جا جو اس گھڑی اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کی گُدی پر سوتے میں شیطان تین گرہیں باندھ دیتا ہے (اور) وہاں ہر گرہ پر یہ پھونک دیتا ہے کہ "ابھی تیرے لیے بہت رات پڑی ہے سو یا رہ"۔ پھر اگر وہ شخص جاگ جائے اور خدا کو یاد کرے تو ایک

گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر وضو کرلے تو ایک (اور) گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر نماز پڑھ لے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں اور صبح وہ خوش خوش، شگفتہ دل ہوتا ہے ورنہ صبح کبیدہ خاطر، کسل مند اٹھتا ہے۔ (بخاری)

اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے اور آپؐ فرما رہے تھے "سبحان اللہ، اللہ نے کیسے کیسے خزانے اتارے ہیں اور کیا کیا فتنے نازل کیے گئے ہیں! کوئی ہے جو ان حجروں والیوں کو جگا دے تاکہ وہ نماز پڑھیں۔ بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو دنیا میں لباس پہنے ہیں مگر آخرت میں عریاں ہوں گی۔ (راوی کہتا ہے کہ حجروں والیوں کہنے سے) آپؐ کی مراد آپؐ کی ازواج تھیں۔ (بخاری)

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جن سے خدائے بزرگ و برتر محبت رکھتا ہے (ان میں سے پہلے کی تو یہ صورت ہے کہ) کسی قوم کے پاس کوئی آدمی آیا اور اُس نے اُن سے سوال کیا، کسی رشتے کے باعث نہیں بلکہ اس کے اور اُن کے درمیان تھا (بلکہ محض) اللہ کے نام پر، مگر اُن لوگوں نے اُسے کچھ نہ دیا۔ اس پر اُس قوم کا) ایک شخص اپنی قوم کے لوگوں سے پیچھے رہ گیا (تاکہ اُن سے علیحدہ ہو جائے اور) پھر چھپا کر اُس (سائل) کو دے آیا۔ اس طرح کہ اُس کے عطیے کا کسی کو پتہ نہ چلا سوائے خدائے بزرگ و برتر کے اور اُس شخص کے جس کو اُس نے دیا تھا۔

اور (دوسرا شخص جس سے خدا محبت رکھتا ہے اس کی یہ صورت ہے کہ) کوئی قوم رات بھر چلتی رہی یہاں تک کہ جب (وہ وقت آیا کہ) نیند انہیں اُن تمام دوسرے کاموں سے دل پسند لگنے لگی جنہیں نیند سے برابر قرار دیا جاتا

ہے، تو وہ اُترے اور پڑکر سو گئے (لیکن اُن میں سے ایک شخص نہ سویا) وہ کھڑا (ہو کر نماز پڑھتا) رہا، اللہ کے حضور میں خوشامد اور عاجزی کرتا رہا اور اللہ کی آیات پڑھتا رہا۔

اور (خدا کی محبت حاصل کرنے والا تیسرا) شخص (وہ ہے) جو لشکر میں تھا، لشکر والوں کا دشمن سے مقابلہ ہوا اور وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے مگر وہ سینہ تانے آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ یا تو وہ شہید ہو گیا یا اُسے اللہ نے فتح عطا کر دی۔ (نسائی)

حضرت عبداللہ بن ابی قیسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ رات کی نماز مت چھوڑ، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اسے نہیں چھوڑا کرتے تھے، اور جب آپؐ بیمار ہوتے یا سست ہوتے تو بیٹھ کر نماز ادا کرتے۔ (ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا رحم فرمائے اُس مرد پر جو رات کو اُٹھے اور نماز ادا کرے اور اپنی بیوی کو (بھی) جگائے اور اگر وہ نہ اُٹھے تو (اسے بیدار کرنے کے لیے) اس کے چہرے پر پانی چھڑک دے (اور) اللہ رحم فرمائے اُس عورت پر جو رات کو اُٹھے اور نماز ادا کرے اور اپنے خاوند کو (بھی) جگائے اور اگر وہ نہ جاگے تو (اُسے بیدار کرنے کے لیے) اُس کے چہرے پر پانی چھڑک دے۔ (ابو داؤد)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی جو فضیلت بیان فرمائی اور جس طرح خود اس پر عامل رہے، اسی کا اثر تھا کہ صحابہ کرام اس نماز کو خاص اہمیت دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ رات کی نماز پڑھا کرتے

تھے اور آخر شب میں اپنے اہل و عیال کو بھی نماز کے لیے جگاتے تھے اور یہ آیت پڑھتے تھے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝ (طٰہٰ : ۱۳۲)

"اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو، ہم تم سے کوئی رزق نہیں چاہتے رزق تو ہم ہی تمہیں دے رہے ہیں اور انجام کی بھلائی پرہیزگاری ہی کے لیے ہے۔"

حضرت ابوہریرہؓ، اُن کی بیوی اور خادم نے نماز کے لیے رات کے تین حصے کر لیے تھے اور ان میں جب ایک نماز سے فارغ ہو جاتا تو دوسرے کو جگا دیتا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا معمول یہ تھا کہ آدھی رات تک امورِ خلافت انجام دیتے، آدھی رات کے بعد علماء سے صحبت رکھتے اور رات کا پچھلا پہر عبادت میں گزارتے، اس مقصد کے لیے گھر میں ایک حجرہ مخصوص کیا ہوا تھا، جس میں کمل کے سلے ہوئے کپڑے رکھے رہتے تھے۔ جب رات کا پچھلا پہر ہوتا تو دن کے کپڑے اُتار کر وہ کپڑے پہن لیتے اور مناجات و گریہ و بکا میں مصروف ہو جاتے اور صبح تک مصروف رہتے۔ صبح ہوتی تو اُن کپڑوں کو تہہ کر کے صندوق میں رکھ دیتے۔ وفات پانے سے پہلے اُس صندوق کو ایک غلام کے پاس امانتاً رکھوا دیا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق اُسے دریا میں بہا دینے کی وصیت فرمائی تھی۔ جب اہلِ خاندان کو اس صندوق کا حال معلوم ہوا تو اُنہوں نے غلام سے صندوق طلب کیا۔ غلام نے

کہا بھی کہ اس میں مال و دولت نہیں ہے تاہم اسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے جانشین یزید بن عبدالملک کے پاس لے جایا گیا۔ اس نے اسے سب کے سامنے کھولا تو اس میں سے کمل کے چند ٹکڑے نکلے جسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ رات کو پہنا کرتے تھے۔

غرضکہ بزرگوں نے رات کی نماز کو بہت اہمیت دی ہے اور اس کی فضیلت کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے۔ حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں:

"دل کی بیماریوں کی دوا پانچ چیزیں ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے قرآن کی تلاوت کرنا، اس طرح کہ ساتھ اس کے معانی میں غور و تدبر کیا جائے۔

۲۔ دوسرے پیٹ کو زائد از ضرورت غذا سے خالی رکھنا۔

۳۔ تیسرے رات کی نماز یعنی تہجد پڑھنا۔

۴۔ چوتھے رات کے آخری حصے میں اللہ کے سامنے الحاح وزاری اور دعا کرنا۔

۵۔ پانچویں نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا۔"

اکثر لوگ ایسے بھی دیکھے جاتے ہیں جو تہجد پڑھنے کے خواہشمند ہوتے ہیں مگر رات کو اُن کی آنکھ نہیں کھلتی اور وقت گزر جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے یہ مفید ہوگا کہ وہ رات کو زیادہ دیر تک جاگنے سے پرہیز کریں۔ مولانا محمد شفیعؒ اپنی ایک تصنیف میں دین و دنیا دونوں کو نفع دینے والے معمولات کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عشاء کی نماز کے بعد فضول مجلسوں، فضول باتوں سے پرہیز

کرے اور جتنی جلد ممکن ہو سو جائے تاکہ آخر شب میں آنکھ کھلنا آسان ہو جائے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضؓ جب لوگوں کو عشاء کے بعد کسی فضول کام یا کلام میں مشغول پاتے تو منع فرماتے اور ہدایت فرماتے کہ سو جاؤ، ممکن ہے آخر شب میں تہجد کی توفیق ہو جائے ــــ ہاں کوئی ضروری کام یا علمی اور دینی شغل ہو تو (جاگنے میں) مضائقہ نہیں۔"

(ذکر اللہ و درود و سلام، صفحہ ۴۲)

نماز کی عمدگی

کوئی کام دینی ہو یا دنیاوی، اُسے عمدہ طریقے سے بھی کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُسے بس سر سے ٹال دیا جائے۔ اب نماز ایک ایسا فریضہ ہے جسے بس سر سے ٹالنا نہیں ہے بلکہ انتہائی ذوق و شوق سے بہتر سے بہتر طریقے سے ادا کرنا ہے۔ کلام پاک، احادیث نبویؐ اور سلف صالحین کے فرمودات کی روشنی میں نماز کی عمدگی حسب ذیل امور پر منحصر ہے۔

۱۔ خشوع و خضوع

سورۃ المؤمنون آیت ۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ — "یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے
الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ — والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار
خٰشِعُوْنَ ۙ — کرتے ہیں۔"

سید سلیمان ندوی اس لفظ "خشوع" کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

"خشوع کا لغوی مفہوم ہے بدن جھکا ہوا ہونا، آواز پست ہونا، آنکھیں نیچی ہونا یعنی ہر ادا سے عاجزی، مسکنت اور تواضع ظاہر ہونا۔ اس لیے نماز خدا کے سامنے اپنی مسکینی، بے چارگی اور افتادگی کا اظہار ہے۔ اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو گویا نماز کی اصلی غایت فوت ہو گئی۔" (سیرۃ النبیؐ، جلد پنجم)

مولانا محمد یوسف اصلاحی خشوع کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"خشوع نماز کی جان ہے اور وہ نماز درحقیقت نماز ہی نہیں ہے جو خشوع و خضوع سے خالی ہو۔ خشوع کے معنی ہیں پست ہو جانا، دب جانا اور عاجزی سے جھک جانا۔ نماز میں خشوع اختیار کرنے کے یہ معنی ہیں کہ نہ صرف جسم بلکہ دل و دماغ سب کچھ خدا کے حضور پوری طرح جھکا ہوا ہو۔ دل پر خدا کی عظمت اور بڑائی کی ایسی ہیبت چھائی ہوئی ہو کہ پست جذبات اور ناپسندیدہ خیالات کا دل میں گزر نہ ہو اور جسم پر بھی سکون اور پستی کے ایسے آثار نمایاں ہوں جو ربِ عظیم کے عظمت و جلال والے دربار کے شایانِ شان ہوں۔"

(آسان فقہ، جلد ۱، ص ۲۲۶)

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی لفظ خشوع کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

"خشوع کے اصل معنی ہیں کسی کے آگے جھک جانا، دب جانا، اظہارِ عجز و انکسار کرنا۔ اس کیفیت کا تعلق دل سے بھی ہے اور جسم کی ظاہری حالت سے بھی۔ دل کا خشوع یہ ہے کہ آدمی کسی کی ہیبت اور عظمت و جلال سے مرعوب ہو اور جسم کا خشوع یہ ہے کہ جب وہ اُس کے سامنے جائے تو سر جھک جائے، اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں، نگاہ پست ہو جائے، آواز دب جائے اور ہیبت زدگی کے وہ سارے آثار اُس پر طاری ہو جائیں جو اس حالت میں فطرتاً طاری ہو جایا کرتے ہیں جبکہ آدمی کسی زبردست باجبروت ہستی کے حضور میں پیش ہو۔ نماز میں خشوع سے مراد

دل اور جسم کی یہی کیفیت ہے اور یہی نماز کی اصلی روح ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور ساتھ ساتھ داڑھی کے بالوں سے کھیلتا جاتا ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ لَوْ خَشَعَ قَلْبُهٗ خَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ (اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے جسم پر بھی خشوع طاری ہوتا)۔ اگرچہ خشوع کا تعلق حقیقت میں دل سے ہے اور دل کا خشوع آپ سے آپ جسم پر طاری ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے ابھی معلوم ہوا۔ لیکن شریعت میں نماز کے کچھ ایسے آداب بھی مقرر کر دیے گئے ہیں جو ایک طرف قلبی خشوع میں مددگار ہوتے ہیں اور دوسری طرف خشوع کی گھٹتی بڑھتی کیفیات میں فعل نماز کو کم از کم ظاہری حیثیت سے ایک معیارِ خاص پر قائم رکھتے ہیں۔ ان آداب میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی دائیں بائیں نہ مڑے اور نہ سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھے (زیادہ سے زیادہ صرف گوشۂ چشم سے ادھر ادھر دیکھا جا سکتا ہے۔ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک نگاہ سجدہ گاہ سے متجاوز نہ ہونی چاہیے مگر مالکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ نگاہ سامنے کی طرف رہنی چاہیے) نماز میں ہلنا اور مختلف سمتوں میں جھکنا بھی ممنوع ہے۔ کپڑوں کو بار بار سمیٹنا یا اُن کو جھاڑنا یا اُن سے شغل کرنا بھی ممنوع ہے۔ اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ سجدے میں جاتے وقت آدمی اپنے بیٹھنے کی جگہ یا سجدے کی جگہ صاف کرنے کی کوشش کرے۔ تن کر کھڑے ہونا، بہت بلند آواز سے کراہ کر قرأت

کرنا یا قرأت میں گانا بھی آدابِ نماز کے خلاف ہے۔ زور زور سے جمائیاں لینا اور ڈکاریں مارنا بھی نماز میں بے ادبی ہے جلدی جلدی، مارا مار نماز پڑھنا بھی سخت ناپسندیدہ ہے۔ حکم یہ ہے کہ نماز کا ہر فعل پوری طرح سکون اور اطمینان سے ادا کیا جائے اور ایک فعل مثلاً رکوع یا سجود یا قیام یا قعود جب تک مکمل نہ ہو لے دوسرا فعل شروع نہ کیا جائے۔ نماز میں اگر کوئی چیز اذیت دے رہی ہو تو اُسے ایک ہاتھ سے دفع کیا جا سکتا ہے، مگر بار بار ہاتھوں کو حرکت دینا یا دونوں کو استعمال کرنا ممنوع ہے — ان ظاہری آداب کے ساتھ یہ چیز بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ آدمی نماز میں جان بوجھ کر غیر متعلق باتیں سوچنے سے پرہیز کرے۔ بلا ارادہ خیالات ذہن میں آئیں اور آتے رہیں تو یہ نفس انسانی کی ایک فطری کمزوری ہے لیکن آدمی کی پوری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ نماز کے وقت اس کا دل خدا کی طرف متوجہ ہو اور جو کچھ وہ زبان سے کہہ رہا ہو، وہی دل سے بھی عرض کرے۔ اس دوران میں اگر بے اختیار دوسرے خیالات آجائیں تو جس وقت بھی آدمی کو اُن کا احساس ہو اُسی وقت اُسے اپنی توجہ اُن سے ہٹا کر نماز کی طرف پھیر لینی چاہیے۔"

(تفہیم القرآن، جلد ۵، صفحہ ۲۶۱)

ان تینوں بیانوں سے خشوع و خضوع کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے چنانچہ وہ ایمان لانے والے جو اپنی نماز میں اس خشوع کو اختیار کرتے ہیں، اُن کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ کامیاب ہو گئے۔

سورۃ البقرہ آیت ۲۳۸ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝

"اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو خصوصاً ایسی نماز کی جو محاسنِ صلوٰۃ کی جامع ہو اور اللہ کے آگے اس طرح کھڑے ہو جیسے فرمانبردار غلام کھڑے ہوتے ہیں"۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لفظ "الصلوٰۃ الوسطیٰ" کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وسطیٰ کے معنی بیچ والی چیز کے بھی ہیں اور ایسی چیز کے بھی جو اعلیٰ و اشرف ہو۔ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد بیچ والی نماز بھی ہو سکتی ہے اور ایسی نماز بھی جو صحیح وقت پر، پورے خشوع اور توجہ الی اللہ کے ساتھ پڑھی جائے اور جس میں نماز کی تمام خوبیاں موجود ہوں"۔ (تفہیم القرآن، جلد دوم)

سورۃ الاعراف آیت ۵۵ میں مومنوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ

"اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے"۔

صحابۂ کرامؓ کی نمازیں اس فرمان کے مطابق ہوتی تھیں حضرت ابوبکر صدیقؓ اس خشوع و خضوع کے ساتھ نماز اور قرآن پڑھتے کہ اُن پر شدت سے گریہ طاری ہو جاتا۔ حضرت عمرؓ نماز میں اس شدت سے روتے کہ پچھلی صف کے لوگ رونے کی آواز سنتے۔

دو بہادر صحابیؓ ایک پہاڑ کے درّے میں کسی کام پر مامور تھے۔ اُن

میں سے ایک صاحب نے نماز شروع کر دی۔ اسی حالت میں ایک مشرک آیا اور اُس نے اُن کے جسم میں تین تیر لگائے مگر انہوں نے نماز جاری رکھی۔ اُن کے دوسرے ساتھی سو چکے تھے۔ اس دوران میں اُن کی آنکھ کھُل گئی۔ جب اُن کا خون آلود جسم دیکھا تو کہا کہ مجھے پہلے ہی کیوں نہ جگا دیا۔ وُہ بولے کہ میں نماز میں ایک سورہ پڑھ رہا تھا جس کو ناتمام چھوڑنا مجھے پسند نہ آیا۔

صحابۂ کرامؓ نماز کے دوران خشوع و خضوع کا اس درجہ دھیان رکھتے تھے کہ اگر کبھی کسی محبوب شے کی کشش اُن کے خشوع و خضوع میں کوئی حرج واقع کر دیتی تھی تو وہ اس شے ہی کو اپنے سے علیحدہ کر دیتے تھے۔

مؤطّا امام مالکؒ میں حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کے بارے میں ایک روایت آئی ہے کہ ایک دن وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک چڑیا اُڑی (باغ اتنا گنجان تھا اور پیڑ اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے کہ) وہ نکلنے کی راہ ڈھونڈنے کے لیے اِدھر اُدھر اُڑنے لگی۔ حضرت ابو طلحہؓ کو یہ منظر بہت بھلا لگا اور وہ کچھ دیر اُسے دیکھتے رہے۔ پھر نماز کی طرف توجہ کی تو یاد نہ آیا کہ کتنی نماز پڑھ چکے تھے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ خدا نے میرے اس مال کے ذریعے مجھے آزمایا ہے۔ پھر وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں اس آزمائش کے متعلق بتایا جو انہیں اپنے باغ میں پیش آئی تھی اور عرض کیا کہ اے خدا کے رسولؐ، میں اس باغ کو اللہ کی راہ میں خیرات کرتا ہوں، آپؐ اُسے جہاں چاہیں صرف کر دیں۔

ایسے ہی موطا میں ایک اور ایسا ہی واقعہ آیا ہے کہ ایک انصاری قف کے مقام پر اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قف مدینے کی وادیوں میں ایک وادی ہے۔ پھلوں کے پکنے کا زمانہ تھا اور کھجوریں پک کر لٹکی ہوئی تھیں گویا پھلوں کے طوق شاخوں کے گلوں میں پڑے تھے۔ انصاری نے اس طرف دیکھا اور پھلوں کا یہ منظر انہیں بہت اچھا لگا۔ پھر نماز کی طرف توجہ کی تو یاد نہ آیا کہ کتنی رکعتیں پڑھ چکے تھے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں اپنے اس مال کے ذریعے آزمائش میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ پھر وہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی خدمت میں آئے جو اُن دنوں خلیفہ تھے اور اُن سے اس بات کا ذکر کیا اور کہا کہ میں اس باغ کو خیرات کرتا ہوں، آپؓ اسے بھلائی کے کاموں میں صرف کر لیجیے۔ حضرت عثمانؓ نے اس باغ کو پچاس ہزار میں بیچا اور اس کا نام ہی خمسین پڑ گیا۔ (خمسین کا مطلب ہے پچاس)۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب کے پوتے حضرت زین العابدین علیؒ کی نماز میں خشوع کا یہ عالم ہوتا تھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو سارے بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو یہ کیا ہو جاتا ہے تو فرمایا کہ تم لوگ کیا جانو کہ میں کس کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں اور کس سے سرگوشی کرتا ہوں۔

ایک بزرگ عصامؒ نامی نے حضرت حاتم اصمؒ سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں۔ حضرت حاتم اصمؒ نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو پہلے نہایت اطمینان سے اچھی طرح وضو کرتا ہوں، پھر مسجد چلا جاتا ہوں اور نہایت اطمینان سے کھڑا ہوتا ہوں کہ گویا بیت اللہ میرے منہ کے سامنے ہے اور مقام ابراہیمؑ میرے دونوں ابروؤں کے درمیان ہے، میرا پاؤں

پلصراط پر ہے، بہشت میری دائیں جانب ہے اور دوزخ بائیں جانب اور موت میرے پیچھے کھڑی ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے، پھر شاید کوئی نماز میسّر نہ ہو۔ دل کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس کے بعد نہایت عاجزی کے ساتھ تکبیر کہتا ہوں۔ پھر پوری ہیبت کے ساتھ قرآن پاک پڑھتا ہوں، نہایت عجز کے ساتھ رکوع کرتا ہوں۔ نہایت تفرع کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں، نہایت حلم کے ساتھ تعوذ کرتا ہوں اور شکر کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں۔ اس طرح اللہ کی رحمت سے اپنی نماز کے قبول ہونے کی امید رکھتا ہوں اور یہ خوف رکھتا ہوں کہ کہیں میرے اعمال مردود نہ ہو جائیں۔ یہ بات سن کر حضرت عصامؒ نے کہا کہ آپ کتنی مدت سے ایسی نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت حاتم اصمؒ نے فرمایا کہ تیس برس سے۔

مولانا روم کے خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ ایک دن نماز کے دوران اتنا روئے کہ چہرہ اور ڈاڑھی آنسوؤں سے بھر گئی۔ شدت کا جاڑا پڑ رہا تھا، اس کے اثر سے آنسو جم کر یخ بن گئے مگر آپ اسی طرح نماز میں مشغول رہے۔

۲۔ کامل توجہ نماز میں خشوع و خضوع کی اہمیت سمجھنے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ یہ خشوع و خضوع اسی صورت حاصل ہو سکتا ہے کہ نمازی کی کامل توجہ نماز کی طرف ہو اور وہ پوری طرح اس میں محو ہے۔ اس توجہ اور محویت کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جیسے ہی وہ نماز کا ارادہ کرے، دوسری باتوں کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش شروع کر دے۔ ظاہر ہے نماز ایک دم تو شروع نہیں کر دی جاتی۔ پہلے انسان اپنا کام چھوڑ کر اٹھتا ہے پھر وضو کے لیے جاتا ہے اور وضو کرتے ہوئے بھی اسے کچھ وقت

لگتا ہے۔ اس کے بعد وہ مناسب جگہ کھڑے ہو کر نیت باندھتا ہے اور پھر نماز شروع ہوتی ہے۔ اس تیاری میں اسے کچھ منٹ لگ ہی جاتے ہیں۔ نماز میں توجہ اور محویت پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ تیاری کے ان چند منٹوں میں ذہن سے اُن امور کو دُور کرنے کی کوشش جاری رکھی جائے جن میں انسان نماز کے لیے اُٹھنے سے پہلے مصروف تھا اور ساتھ ساتھ یہ ذہن نشین کرنے کی سعی بھی جاری رہے کہ اب اللہ رب العٰلمین کے حضور میں حاضری دی جانے لگی ہے اور جتنی زیادہ توجہ اور عمدگی سے یہ حاضری دی جائے گی، اتنی ہی زیادہ یہ اجر و ثواب اور خیر و برکت کا باعث بنے گی ۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز شروع کرتے ہوئے ہاتھ اٹھانا گویا یہ اعلان کرنا ہے کہ اب کچھ دیر کے لیے ہم نے سب کاموں سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ اب یہ آنے والے چند لمحات تو صرف اپنے رؤوف و رحیم آقا کے ساتھ راز و نیاز ہی میں صرف کیے جائیں گے۔

نماز میں توجہ اور یکسوئی کو قائم رکھنا اتنا ضروری ہے کہ اگر کوئی حاجت ایسی ہو جس کے بارے میں خطرہ ہو کہ اگر اسے پورا نہ کر لیا گیا تو نماز کے دوران توجہ قائم نہیں رہ سکے گی تو اس کے بارے میں حکم ہے کہ اسے نماز سے پہلے پورا کر لیا جائے۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا رات کا کھانا رکھ دیا جائے اور نماز کی اقامت بھی ہو جائے تو اسے چاہیے کہ پہلے کھانا کھالے اور جلدی نہ کرے یہاں تک کہ کھانے سے فارغ ہو جائے۔ (بخاری)

لہٰذا حضرت ابن عمرؓ کا یہی طریقہ تھا کہ جب اُن کا کھانا رکھ دیا جاتا اور نماز کی اقامت بھی ہو جاتی تو وہ اس وقت تک نماز میں نہ آتے جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے۔ اس میں یہی مصلحت ہے کہ اگر بھوک کی شدت ہو گی تو توجہ نماز

سے ہٹ جائے گا اسی پر دوسری حاجات کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جس جائز حاجت کے بارے میں خطرہ ہو کہ اس کو پورا کیے بغیر نماز شروع کر دی تو اس کی شدت بار بار نماز سے توجہ ہٹائے گی تو اسے نماز سے پہلے پورا کر لینا چاہیے تاکہ نماز میں یکسوئی حاصل رہے۔

ایسے ہی نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا بھی ناپسندیدہ ہے کہ اس سے بھی توجہ نماز کی طرف سے ہٹ جاتی ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو اُچک لے جانا ہے (کیونکہ اِدھر اُدھر دیکھنے سے) شیطان تم میں سے کسی کی نماز کا ایک حصہ (یعنی توجہ اور خشوع و خضوع) اُچک لے جاتا ہے۔ (بخاری)

نماز میں سے توجہ کے ہٹ جانے کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی ایسی جگہ نماز پڑھنا شروع کر دیا جائے جہاں پاس شور و غل یا کوئی دلچسپ بات چیت ہو رہی ہو۔ ایسے ماحول میں نماز پڑھنے سے لازماً انسان کی توجہ نماز سے ہٹ کر باتوں کی طرف چلی جاتی ہے اور جب توجہ ہی بٹ گئی تو پھر خشوع و خضوع کے رہنے کا کیا سوال ہے۔ لہٰذا نماز میں توجہ قائم رکھنے کے لیے ایک احتیاط یہ بھی کرنی چاہیئے کہ حتی الامکان ایسی جگہ نماز ادا کی جائے جہاں توجہ کو ہٹانے والے اسباب نہ ہوں۔

نماز سے توجہ ہٹ جانے کا ایک بہت بڑا سبب تو وہ وسوسے ہیں جو شیطان نمازی کے دل میں پیدا کرتا رہتا ہے۔ جیسے ہی نماز کے لیے ہاتھ اُٹھائے جائیں خیالات کا ایک ریلا ہوتا ہے جو دل و دماغ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ کبھی کی بھولی بسری باتیں بھی نماز میں یاد آ جاتی ہیں۔ اب نمازی ایک مشینی انداز میں رکوع، سجدہ، قیام

تعوذ بھی کرتا جا رہا ہے اور جو مختلف چیزیں دورانِ نماز پڑھنا ہوتی ہیں، وہ بھی پڑھتا جا رہا ہے مگر خدا کی یاد ایک لمحے کے لیے بھی دل میں نہیں آ رہی۔ اور حالت ایسی نمازیں بھی پڑھی جاتی ہیں کہ بارہ بارہ، سترہ سترہ رکعات پڑھ لی گئیں اور ان کے بعد تلاوت قرآن یا کوئی وظیفہ بھی کر لیا گیا مگر اس تمام دوران میں دل و دماغ اور ہی امور میں اُلجھے رہے اور بھولے سے بھی دل میں خیال نہ آیا کہ ہم مالک ارض و سما کے حضور میں کھڑے ہیں جو ہماری ظاہری حرکات ہی کو نہیں بلکہ ہمارے دلوں کے اندر کی کیفیات کو بھی دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ "اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔" (طٰہٰ: ۱۴)

اب جس نماز میں یادِ خدا ہی نہ ہو گی تو وہ آخر کس قسم کی نماز ٹھہری!

ان وسوسوں پر قابو پانا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ خیالات کوئی مادّی چیز تو ہیں نہیں کہ انسان انہیں مٹھی میں بند کر لے اور ذہن تک جانے سے روک دے۔ یہ تو آزاد پنچھی ہیں۔ ایک کو اُڑائیں تو دوسرا آ موجود، دوسرے کو ہٹائیں تو تیسرا سر پہ سوار۔ کبھی کوئی خیال اتنا لمبا ہو جاتا ہے کہ نماز ختم کر کے سلام پھیر لی جاتی ہے مگر خیال کا تار نہیں ٹوٹتا اور کبھی کوئی خیال اس طرح ذہن کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے کہ یاد ہی نہیں رہتا کہ دوسری رکعت پڑھ رہے تھے کہ تیسری، تیسری ادا کر رہے تھے کہ چوتھی!

آخر ان وسوسوں کا کیا علاج کیا جائے کہ ہماری نمازیں خرابی سے محفوظ ہوں؟

دانا لوگ بتاتے ہیں کہ اگر ہم یہ چاہیں کہ ایسی نماز ادا کریں جس کے دوران ذہن میں کوئی ایک بھی غیر متعلق خیال نہ آئے تو ایسا ہونا محال

ہے۔ انسانی ذہن تو مسلسل کام کرتا رہتا ہے اور خیالات آتے ہی رہتے ہیں مگر نماز کے دوران کسی غیر متعلق خیال کا دماغ میں آجانا ایک بات ہے اور نمازی کا اس خیال کے ساتھ بہے چلے جانا ایک دوسری بات ہے۔ خیال تو کوئی نہ کوئی کبھی آ ہی جائے گا۔ اب ہمارا کام یہ ہونا چاہیے کہ ہم اسے فوراً ذہن سے جھٹک کر خدا کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرتے رہیں۔ اب غین ممکن ہے کہ آپ ایک خیال کو دماغ سے جھٹک دیں مگر ایک ہی منٹ کے بعد وہی خیال یا کوئی اور خیال پھر آ دھمکے۔ مگر پھر آپ نے وہی کام کرنا ہے کہ اسے ذہن سے جھٹک کر خدا کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرنا ہے۔ حقیقی محنت سے یہ کوشش جاری رکھی جائے گی۔ خدا کی مہربانی سے نماز میں توجہ اور خشوع وخضوع کی حالت اتنی ہی بہتر ہوتی چلی جائے گی۔

نماز میں توجہ کو قائم رکھنے کا ایک کامیاب نسخہ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ نماز کے دوران جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کا مطلب لازماً سیکھا جائے اور جس وقت وہ عبارات منہ سے ادا ہو رہی ہوں اُس وقت دل ودماغ اُن کے مفہوم کو سمجھنے میں مصروف ہو۔ توقع ہے کہ اس سے توجہ کو نماز ہی میں مرتکز کرنے میں بہت مدد ملے گی۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم غیر عرب لوگوں کی غالب اکثریت عربی زبان نہیں جانتی اور نماز تے لازماً عربی زبان ہی میں پڑھا جانا ہوتا ہے۔ بالکل جاہل مطلق لوگ جن کے لیے نماز کا ترجمہ یاد کرنا ممکن ہی نہیں، وہ تو معذور ہیں لیکن پڑھے لکھے لوگ یا وہ جو اگرچہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تاہم نماز کا ترجمہ یاد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اُن کے لیے بہت ضروری ہے کہ اس طرف کما حقہٗ توجہ دیں تاکہ

نماز کے دوران وہ جو کچھ زبان سے ادا کرتے ہیں اسے سمجھیں کہ وہ کیا ادا کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نماز کا مقصد جب یادِ الٰہی ہی ہے تو پھر اس یاد کو نمازی کے جسم، زبان اور دل و دماغ پر پوری طرح حاوی ہو جانا چاہیے۔ حضرت ابراہیم بن یزید تیمی کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ آپ نماز پڑھتے ہوئے اس طرح اُس میں مستغرق ہو جایا کرتے تھے کہ سجدے کی حالت میں چڑیاں اُڑ اُڑ کر اُن کی پشت پر آ بیٹھتی تھیں اور چونچیں مارتی تھیں۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں کہ "نماز مسلمان کی معراج ہے جس قدر زیادہ حضوری ہوگی اُسی قدر زیادہ قرب ہوگا۔"

حضرت مسلم بن یسار تابعیؒ کی نماز کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ ایسے کیف اور استغراق کی نماز ہوتی تھی کہ دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا تھا گویا اُن پر نور القا ہو رہا ہے۔ جب وہ نماز کی حالت میں ہوتے تو بے جان لکڑی معلوم ہوتے۔ بدن اور کپڑوں میں ذرا حرکت نہ ہوتی تھی۔ نماز کی حالت میں چاہے کیسے ہی خطرے کی یا گھبرا دینے والی صورت پیدا ہوتی اُن پر مطلق اثر نہ ہوتا۔ ایک دفعہ وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ اُن کے پہلو میں آگ لگی اور لگ کر بجھ بھی گئی لیکن ان کو مطلق خبر نہ ہوئی۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے اپنے مریدوں کو نصیحت فرمائی:

"نماز پڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ حضورِ قلب کے ساتھ پڑھی جائے۔ نماز کے وقت اعضاء کا قبلہ کعبہ شریف ہوتا ہے۔ اگر منہ اس طرف نہ ہو تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔ اسی طرح دل کا کعبہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ اگر دل اپنے قبلے سے پھر جائے تو پھر یہ کیسی نماز ہوگی۔"

غرضیکہ نماز ہو یا ذکرِ الٰہی کی کوئی اور شکل، توجہ، محویت اور خشوع و خضوع اس کی جان ہیں۔ ایک دفعہ امام شعبیؒ امام حسن بصریؒ کی ملاقات کو گئے اکیلے جانے کی جرأت نہ ہوئی، اس لیے ایک اور صاحب کو ساتھ لے لیا۔ جس وقت یہ لوگ اندر پہنچے تو امام حسن بصریؒ کو دیکھا کہ قبلہ رو بیٹھے ہیں۔ ایک عجیب عالم طاری ہے اور فرما رہے ہیں:

"اے آدمؑ کے بیٹے، تو نیست تھا ہست کیا گیا، تو نے مانگا تجھے دیا گیا۔ لیکن جب تیری باری آئی اور تجھ سے مانگا گیا تو تو نے انکار کر دیا۔ افسوس تو نے کتنا بُرا کام کیا!!!"

یہ کہہ کر وہ بے خبر ہو جاتے۔ پھر ہوش میں آکر یہی کلمات دُہرانے لگتے۔ یہ صورت دیکھ کر امام شعبیؒ نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "لوٹ چلو! اس وقت شیخ کسی اور ہی عالم میں ہیں!"

۱۴۔ ارکانِ نماز کو آہستگی، سکون اور وقار سے ادا کرنا

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے، پھر کوئی اور شخص بھی داخل ہوا اور اُس نے نماز پڑھی۔ پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ واپس جا اور نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اس پر وہ شخص واپس گیا اور نماز پڑھی جیسے کہ (پہلی بار) پڑھی تھی۔ پھر آیا اور حضورؐ کو سلام کہا۔ آپؐ نے پھر فرمایا کہ واپس لوٹ جا اور نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ (اسی طرح) تین مرتبہ (ہوا)۔ اس پر وہ بولا کہ اُس ہستی کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اس سے بہتر نماز ادا نہیں کر سکتا۔ پس آپؐ مجھے سکھا دیجیے۔

اس پر آپؐ نے فرمایا کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو تکبیر کہو، پھر جتنا قرآن پڑھنا تمہارے لیے آسان ہو اُس کو پڑھو، پھر رکوع کرو، یہاں تک کہ رکوع میں اطمینان سے ہو جاؤ۔ پھر سر اُٹھاؤ، یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ سجدے میں اطمینان سے ہو جاؤ، پھر سر اُٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور اپنی پوری نماز میں اسی طرح (اطمینان اور آہستگی سے رکوع و سجود وغیرہ) کرو۔ (بخاری)

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ جلدی جلدی نماز ادا کرنا، جس سے رکوع، سجدہ اور دوسرے ارکانِ نماز ٹھیک طرح ادا نہ ہو سکیں، غلط ہے۔ کیونکہ جس شخص نے اس طرح نماز پڑھی حضورؐ نے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کو کہا اور فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ پھر حضورؐ نے اُسے نماز کا جو درست طریقہ بتایا وہ یہ تھا کہ نماز کے ہر رُکن کو آہستگی سے مکمل طور پر ادا کیا جائے۔ جلد بازی ویسے ہی ایک ناپسندیدہ شے ہے۔ پھر نماز میں جلد بازی تو اور بھی زیادہ قابلِ اعتراض ہے۔ بعض لوگ رکوع کرتے ہوئے پورے طور پر جھکنے کے بجائے کچھ یونہی کا سر نیچے کر کے پھر فوراً ہی اُسے اُٹھا لیتے ہیں، اور سر اٹھا کر پوری طرح سیدھے بھی نہیں ہو پاتے کہ راستے ہی سے سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ ایسے ہی سجدہ بھی اطمینان سے نہیں کرتے بلکہ جلد جلد دو سجدے کر کے فوراً ہی سر اُٹھا لیتے ہیں۔ دونوں سجدوں کے درمیان کچھ دیر بیٹھنا ضروری ہوتا ہے۔ مگر ان جلد باز لوگوں کے لیے ایسا کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ پہلے سجدے سے سر اُٹھا کر ذرا سا اُوپر ہوئے اور ساتھ ہی دوسرا سجدہ کر لیا۔ ایسے ہی قیام اور تشہد میں جو کچھ پڑھنا ہوتا ہے، وہ اتنی جلدی جلدی پڑھا جاتا

ہے، گویا گھاس کاٹی جا رہی ہو — یوں محسوس ہوتا ہے گویا نماز پڑھنے والا اس کوشش میں لگا ہے کہ جتنا وقت بھی نماز میں سے کھینچ سکوں کھینچ لوں — گویا وہ نماز کا وقت چرا رہا ہوتا ہے۔

حضرت نعمانؓ بن مُرّہ بیان کرتے ہیں کہ شراب اور چوری اور بدکاری کا حکم نازل ہونے سے پہلے (ایک دن) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ سے) فرمایا کہ شراب پینے والے اور چوری کرنے والے اور بدکاری کرنے والے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ خدا اور اُس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ (اس پر) آپؐ نے فرمایا کہ یہ فحش باتیں ہیں اور ان کے باعث سزا ملتی ہے، اور (فرمایا کہ) بدترین چوری اُس شخص کی ہے جو اپنی نماز چرائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ، کوئی نماز کو کیسے چراتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا (اس طرح کہ) وہ نہ اپنے رکوع کو مکمل کرتا ہے نہ اپنے سجدے کو۔ (مؤطّا)

ایسے حضرت انسؓ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم رکوع اور سجدہ کرو تو پورا رکوع اور پورا سجدہ کرو۔ (نسائی)

اگر کسی وقت کوئی ایسی ہی مجبوری ہو کہ انسان نماز کو کم وقت میں پڑھنا چاہے تو وقت بچانے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان صرف فرض، وتر اور مؤکدہ سنتیں پڑھ لے اور غیر مؤکدہ سنتیں اور نوافل چھوڑ دے اور دوسرا یہ کہ جلد جلد نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ پورا نہ کرے اور اس طرح وقت بچائے۔ ان دونوں طریقوں میں سے پہلا طریقہ ایک جائز امر ہے اور دوسرا طریقہ ناجائز ہے۔ یعنی جب انسان کم

وقت میں نماز پڑھنا چاہے تو اسے اجازت ہے کہ صرف اتنی رکعات پڑھ لے جتنی ضروری ہیں اور باقی نہ پڑھے مگر اسے اس بات کی بالکل اجازت نہیں کہ وقت بچانے کے لیے جلد جلد نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ ٹھیک طرح نہ کرے۔

حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز پڑھتے ہوئے اس میں کمی کر رہا تھا (یعنی جلد جلد پڑھ رہا تھا اور رکوع سجدہ ٹھیک نہیں کر رہا تھا) حضرت حذیفہؓ نے اس سے پوچھا کہ تو کب سے ایسی نماز پڑھ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ چالیس سال سے۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ تو نے چالیس سال سے نماز ہی نہیں پڑھی اور اگر تو ایسی ہی نماز پڑھتے پڑھتے مر گیا تو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر نہیں بلکہ کسی اور دین پر مرے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ انسان کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے رکعات میں) کمی کرے، لیکن (اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ رکوع وسجود وغیرہ کو) مکمل طور پر اور اچھے طریقے سے ادا کرے۔

(نسائی)

غرضیکہ نماز کی عمدگی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان بڑے سکون، آہستگی اور وقار سے نماز پڑھے۔ نماز کے دوران، ثناء، کلمہ، قرآن، تسبیحیں، تشہد، درود اور دعا وغیرہ سب پڑھی جانے والی چیزوں کو ٹھہر ٹھہر کر سمجھ سمجھ کر اور خشوع وخضوع سے ادا کرے۔ جب رکوع میں جائے تو اتنا جھکے جتنا کہ جھکنے کا حکم ہے اور پھر کم از کم تین دفعہ تسبیحیں پڑھے، رکوع سے اٹھے تو پوری طرح سیدھا ہو کر کھڑا ہو جائے اور ایسے ہی پہلا سجدہ کر کے اٹھ کر بالکل سیدھا ہو کر بیٹھ جائے اور پھر دوسرا سجدہ کرے۔ اس کے

بعد التحیات بیٹھ کر جو کچھ پڑھنا ہوتا ہے وہ سب بھی ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھے۔ آخر میں خشوع و خضوع سے دعا کرے اور آہستگی اور وقار سے پہلے دائیں طرف منہ موڑ کر سلام کرے پھر بائیں طرف موڑ کر۔

نماز پڑھتے ہوئے یہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ جو وقت بھی اس کارِ خیر میں صرف ہو جائے گا وہ زندگی کا حاصل ہوگا۔

۴۔ نماز کے دوران قرآن خوانی

حضرت معاویہؓ بن حکم سلمی بیان کرتے ہیں کہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ اچانک نمازیوں میں سے ایک شخص کو چھینک آگئی۔ میں نے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ (یعنی اللہ تجھ پر رحم کرے) کہہ کر اس کو جواب دیا۔ اس پر نمازی مجھے گھورنے لگے۔ میں نے کہا کہ تم اپنی ماؤں کو گم کرو، مجھے کاہے کے لیے گھور رہے ہو۔ وہ یہ سُن کر اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنے لگے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش ہی کرنا چاہتے ہیں (تو مجھے بہت غصّہ آیا) لیکن میں خاموش ہو گیا۔ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے، میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، میں نے آپؐ سے قبل اور آپؐ کے بعد کوئی آپؐ سے زیادہ اچھی طرح تعلیم دینے والا معلّم نہیں دیکھا۔ پس خدا کی قسم نہ آپؐ نے مجھے ڈانٹا اور نہ مارا اور نہ بُرا بھلا کہا (بلکہ) فرمایا کہ نماز میں انسانی کلام میں سے کچھ (زبان پر لانا) درست نہیں ہے۔ نماز تو اللہ کی پاکی بیان کرنے، اُس کی بڑائی بیان کرنے اور قرآن پڑھنے کا نام ہے۔ (مسلم)

حضورؐ کے اس فرمانِ مبارک سے واضح ہو جاتا ہے کہ نماز میں خدا کی پاکی بیان کرنے اور اس کی بڑائی بیان کرنے کے علاوہ قرآن پڑھنا بھی

ہوتا ہے۔ سورۃ الفاتحہ تو ہر رکعت میں لازماً پڑھنا ہی ہوتی ہے مگر اس کے بعد بھی قرآن مجید کا کوئی حصّہ پڑھنا ضروری ہے۔ یہاں ایک غلط فہمی کو دُور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو ہمارے ملک میں عام طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ غالباً ہمارے اہلِ وطن کی غالب اکثریت یہی سمجھتی ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد لازماً سورۂ اخلاص ہی پڑھنی ہوتی ہے حالانکہ یہ خیال درست نہیں۔ سورۂ فاتحہ تو، جیسے کہ بیان ہو چکا ہے، ہر رکعت میں لازماً پڑھی جاتی ہے مگر اس کے بعد سورۂ اخلاص ہی پڑھنا ضروری نہیں بلکہ قرآن مجید کا کوئی حصّہ پڑھا جا سکتا ہے۔ سورہ اخلاص کی بڑی فضیلت ہے اور رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے تہائی قرآن کے برابر قرار دیا ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد لازماً سورۂ اخلاص ہی پڑھی جائے بلکہ قرآن مجید کی کوئی سورت یا کسی سورت کا کوئی حصّہ پڑھا جا سکتا ہے۔ ذیل کی احادیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد کبھی قرآن کی کوئی سورت اور کبھی کوئی سورت پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابُو قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم ظہر اور عصر کی (پہلی) دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور کوئی ایک ایک دوسری سورت پڑھتے تھے ..... (بخاری)

حضرت ابن عبّاسؓ بیان کرتے ہیں کہ (میری والدہ) اُمّ الفضلؓ نے مجھے وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا پڑھتے سنا تو انہوں نے کہا کہ اے میرے بیٹے، تم نے یہ سُورت پڑھ کر مجھے یاد دلا دیا ہے کہ یہ آخری سُورت تھی جو میں نے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنی تھی۔ آپؐ اس کو (نماز) مغرب میں پڑھا کرتے تھے۔ (بخاری)

ابورافع بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ انہوں نے (سورہ) اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھی اور سجدہ (یعنی تلاوت کا سجدہ) کیا۔ میں نے اُن سے کہا (کہ آپ نے یہ سجدہ کیوں کیا) انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابوالقاسمؐ (یعنی رسولِ خداؐ) صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (نماز پڑھی اور حضورؐ نے اس مقام پر سجدہ کیا، لہٰذا میں نے بھی) سجدہ کیا۔ بس میں ہمیشہ اسے پڑھتے ہوئے سجدہ کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ میں آپؐ سے جا ملوں۔ (بخاری)

حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء کی نماز) میں (سورۃ) وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ پڑھتے سنا اور میں نے آپؐ سے زیادہ خوش آواز اور اچھا پڑھنے والا کوئی نہیں سُنا۔ (بخاری)

حضرت اُمِّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ وَالطُّوْرِ پڑھی۔ (بخاری)

غرضیکہ یہ احادیث واضح کیے دیتی ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن پاک کا کوئی حصہ پڑھا جا سکتا ہے۔ لازماً سورۂ اخلاص ہی پڑھنے کی ضرورت نہیں، بے شک اگر کوئی شخص بار بار سورۂ اخلاص ہی پڑھے تو یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کوئی غلط کام کر رہا ہے تاہم اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص کے سوا اور کچھ پڑھا ہی نہیں جا سکتا تو اس کا ایسا سمجھنا یقیناً غلط ہے۔

نماز کے دوران سورتوں کا بدل بدل کر پڑھنا بہت مفید اور خیر و برکت کا باعث ہے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہی ہے کہ چونکہ نماز میں

میں وہی سورت پڑھی جاسکتی ہے جو زبانی یاد ہو۔ اس لیے انسان بدل بدل کر سورتیں پڑھنے کی خاطر زیادہ سے زیادہ سورتیں زبانی یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قرآن کا زبانی یاد ہونا بہت بڑی دولت ہے اور یہ دولت جتنی زیادہ حاصل کرلی جائے خوش نصیبی کی بات ہوگی۔ پھر جب حفظ کی ہوئی سورتیں بار بار نماز میں پڑھی جاتی رہیں گی تو اُن کے بھول جانے کا امکان بھی کم ہوگا۔

اس کے علاوہ بدل بدل کر سورتیں پڑھنے کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے نماز میں توجہ قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ بار بار ایک ہی سُورت پڑھنے سے وہ زبان پر اس طرح چڑھ جاتی ہے کہ جیسے ہی سورۂ فاتحہ ختم ہوئی وہ خود بخود ہی مُنہ سے نکلنے لگی، توجہ چاہے نماز کے اندر ہو یا باہر۔ لیکن جب ہر رکعت میں نئی سورت پڑھنی ہو تو توجہ نماز کے اندر رہتی ہے کہ اب کونسی سورت پڑھوں اور اب کونسی پڑھوں۔

ویسے بھی نماز کے دوران زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھنے میں ذوق و شوق زیادہ پایا جاتا ہے، بہ نسبت اس کے کہ صرف ایک ہی سورت ہمیشہ پڑھی جائے۔ تلاوتِ قرآن بے پناہ خیر و برکت اور اجر و ثواب کا باعث ہے اور نماز کے دوران خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا تو خصوصی طور پر بڑی فضیلت کی بات ہے۔ نماز کا چھوٹا ہونا یا لمبا ہونا بھی زیادہ تر تلاوتِ قرآن ہی پر منحصر ہوتا ہے۔ کسی رکعت میں جتنا زیادہ قرآن پڑھا جائے گا اتنی ہی وہ رکعت لمبی ہوگی جو اس کی خوبی کی دلیل ہے۔

۵۔ افضل وقت | نماز کی عمدگی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نماز حتی الامکان

اوّل وقت میں پڑھی جائے۔ یعنی جیسے ہی کسی نماز کا وقت شروع ہو نماز ادا کر لی جائے۔ یہ نہ ہو کہ انسان دوسرے دوسرے کاموں میں مصروف رہے اور پھر جب اُس نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب آ لگے تو پھر اُٹھ کر جلدی جلدی نماز پڑھے۔

علاء بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں بصرہ میں حضرت انسؓ بن مالک کے گھر گیا اور میں ابھی ظہر کی نماز سے فارغ ہوا ہی تھا۔ حضرت انسؓ کا گھر مسجد کے پہلو میں تھا۔ جب ہم اُن کے پاس پہنچے تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے عصر پڑھ لی ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم تو ابھی ظہر پڑھ کر آئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ عصر پڑھ لو۔ اس پر ہم کھڑے ہو گئے اور ہم نے نماز پڑھی اور جب ہم فارغ ہو گئے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ وہ بیٹھا سورج کو تاکتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان آ جاتا ہے (یعنی غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے) تو وہ اُٹھتا ہے اور چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور اُس میں وہ اللہ کو بہت کم یاد کرتا ہے۔ (مسلم)

جو نماز چار ٹھونگوں پر مشتمل ہو اُسے عمدہ نماز نہیں کہا جا سکتا۔ نماز کو دیر سے پڑھنا درحقیقت دلیل ہے اس بات کی کہ نماز کے لیے دل میں ذوق و شوق موجود نہیں، ورنہ جس عمل کے لیے انسان کے دل میں اشتیاق ہو اس کی طرف تو انسان جلد سے جلد لپکتا ہے نہ کہ اُسے آگے آگے ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ آخری وقت میں نماز پڑھنے سے بھی نماز ادا تو ہو جاتی ہے مگر انسان فضیلت سے محروم ہو جاتا ہے۔

حضرت اُمِّ فَرْوہ رضؓ جنہیں حضورؐ سے بیعت کرنے کا اعزاز حاصل تھا، فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل سب سے زیادہ افضل ہے، تو آپؐ نے فرمایا کہ نماز کو اوّل وقت میں ادا کرنا۔ (ترمذی)

بنو امیّہ کے مشہور گورنر حجّاج بن یوسف کا طریقہ تھا کہ نماز کے اوقات کی پابندی نہیں کرتا تھا۔ اُس کی بعض حرکات کے باعث حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اُس سے سخت نفرت تھی۔ جب آپ کا عہد آیا تو آپ نے اپنے ایک عامل عدی بن ارطاۃ کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں اس بات کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی۔ فرماتے ہیں:

"میں تمہیں حجّاج کی روش سے روکتا ہوں کیونکہ حجّاج ایک مصیبت تھا۔ ایک قوم نے اپنے عمل سے اس کی غلط کاریوں کی موافقت کی، اس لیے اپنے زمانے میں اُس نے جو چاہا کیا، لیکن اب وہ زمانہ گزر گیا اور خدا کی سلامتی پھر واپس آگئی۔ اگر وہ صرف ایک ہی دن رہے تب بھی یہ خدا کا عطیہ ہوگا۔ میں نے نماز کے متعلق حجّاج کی تقلید سے روکا ہے۔ کیونکہ وہ وقت میں تاخیر کرتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔"

ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کو مصر روانہ کرنا چاہا۔ اُس نے جانے میں دیر کی تو آدمی بھیج کر بلوایا۔ وہ آیا تو فرمایا کہ "گھبراؤ نہیں، آج جمعے کا دن ہے، جمعہ پڑھے بغیر یہاں سے نہ ٹلنا۔ ہم نے تم کو ایک جلدی کے کام کے لیے بھیجا تھا، لیکن یہ جلدی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ نماز کو وقت ٹال کر پڑھو۔ جس قوم نے نماز کو برباد کیا اور شہوت پرستی کی، اُس کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے کہ وہ

عنقریب گمراہی سے ملیں گے۔ لیکن انہوں نے نماز کو بالکل ترک نہیں کیا تھا بلکہ اُس کے وقت کی پابندی چھوڑ دی تھی"۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اوّل وقت میں نماز پڑھنے کی فضیلت پہلی چار نمازوں ہی کے لیے ہے۔ جہاں تک نماز عشاء کا تعلق ہے، اُسے جتنا زیادہ دیر سے پڑھا جائے گا اتنی ہی وہ زیادہ فضیلت والی ہو گی۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر مجھے اپنی اُمّت کی مشقّت کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز ایک تہائی یا آدھی رات تک تاخیر کر کے پڑھا کریں۔ (ترمذی)

اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضورؐ کو پسند یہی تھا کہ عشاء کو دیر سے پڑھا جائے مگر قطعی حکم اس لیے نہ دیا کہ اُمّت پر زیادہ مشقت نہ پڑ جائے۔ لہٰذا عشاء کو دیر سے پڑھنا حضورؐ کی پسندیدگی کا کام کرنا ہے۔

واضح رہے کہ عشاء کی نماز میں دیر کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز عشاء کے اوقات کے اندر آخری وقت میں نماز پڑھی جائے۔ یہ نہیں کہ اتنی دیر لگائی جائے کہ عشاء کا وقت ہی گزر جائے۔

نماز کو اوّل وقت میں پڑھنے ہی کے سلسلے میں سحر خیزی کو بھی پسندیدہ سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ فجر کی نماز کا وقت طلوع آفتاب شروع ہوتے ہی ختم ہو جاتا ہے اس لیے جس نے نماز فجر کو مقررہ اوقات کے اندر پڑھنا ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ طلوع آفتاب سے کافی پہلے بیدار ہو جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سحر خیزی کا شوق پیدا کرنے کے لیے فرماتے ہیں۔

"بڑے شرم کی بات ہے کہ صبح تڑے جاگنے سے پہلے پرندے جاگ جائیں"۔

مسجد، اذان، جماعت جمعہ

مسجد اسلامی معاشرے میں مسجد وہ مرکز ہے جس کے گرد مومن کی زندگی گھومتی ہے۔ اس کی زندگی کا اچھا خاصا حصّہ مسجد ہی میں کٹتا ہے کیونکہ ہر بالغ، عاقل، آزاد مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ دن میں پانچ دفعہ مسجد جائے سوائے اس کے کہ اس کے پاس کوئی ایسا عذر ہو جسے شریعت جائز عذر تسلیم کرتی ہو۔ مسجد کی فضیلت اسی سے ظاہر ہے کہ مساجد اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین مقامات ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک ان بستیوں میں سب سے زیادہ محبوب مقام ان کی مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ مبغوض مقام ان بستیوں کے بازار ہیں۔ (مسلم)

امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مساجد اس لیے خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہیں کہ اُن کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی جاتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی رحمتوں کے نزول کا محل ہوتی ہیں اور مسجدوں کے خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ مسجدوں کو آباد کرنے والوں کے ساتھ بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے۔

مساجد کی اہمیّت کے پیشِ نظر مساجد بنانے والوں کو بہت زیادہ اجر و ثواب کی توقع دلائی گئی ہے۔ جب حضرت عثمانؓ کا عہد آیا تو انہوں نے چاہا

کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کو از سرِ نو بنائیں۔ اس پر لوگوں نے بُرا مانا کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ مسجد نبویؐ اُسی شکل میں رہے جس میں حضورؐ نے اُسے بنایا تھا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

"..... میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جس نے خدا کے لیے ایک مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت میں اُسی طرح کا ایک گھر بنائے گا۔ (مسلم)

مسجد بنانے کے علاوہ مسجد کی خدمت کرنا بھی بڑی فضیلت کی بات ہے۔ مسلم بن یسار تابعیؒ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اُن کا خاص مشغلہ مسجد کی خدمت تھا۔ آپ مسجدوں میں چراغ جلایا کرتے۔ یہاں تک کہ آپ کا نام مُسْلِمُ الْمُصْبِح پڑ گیا یعنی چراغ جلانے والا مسلمان۔ ایسے ہی مساجد کو صاف کرنا، اُن میں خوشبو کا اہتمام کرنا اور مساجد کے سلسلے میں مختلف خدمات انجام دینا نیکی کا کام ہے۔ ایک عورت حضورؐ کی مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، اچانک اس کا انتقال ہو گیا اور لوگوں نے اس کی موت کو اس قابل نہ سمجھا کہ حضورؐ کو اس کی اطلاع دی جاتی اور اُسے دفن کر دیا۔ جب آپؐ کو اس واقعے کا پتہ چلا تو فرمایا کہ مجھے اطلاع کیوں نہیں دی، اور اُس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اُس کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

مجموعۂ احادیث میں ایسی کئی احادیث ملتی ہیں جن سے مساجد میں جاتے رہنے کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت بُرَیدہ اسلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اندھیروں میں کثرت سے مسجدوں کی طرف چلنے والوں کو قیامت کے دن مکمل روشنی (ملنے) کی خوش خبری سُنا دو۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ جو شخص صبح کو یا شام کو مسجدوں میں آئے، اللہ اُس کے لیے جنت میں ضیافت تیار کرتا ہے، جب بھی وہ صبح کو یا شام کو آتا ہے۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جاتا ہے تو ایک قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک قدم پر ایک بُرائی معاف ہوتی ہے۔ (نسائی)

حضرت ابوسعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم لوگ کسی شخص کو مسجد کا عادی دیکھو تو اُس کے حق میں ایمان کی گواہی دو۔ خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ..... (اللہ کی مسجدوں کو تو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ .....) (ترمذی)

مسجد کے احترام کے پیشِ نظر اُس کی طرف جانے اور اُس کے اندر ٹھہرنے کے لیے خاص خاص آداب کی تلقین کی گئی ہے مثلاً:

۱۔ مسجد کی طرف دوڑ کر نہ جایا جائے بلکہ اطمینان اور آہستگی سے جایا جائے چاہے اذان ہو چکی ہو۔

۲۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں اندر رکھا جائے۔

۳۔ داخل ہو کر پہلے درود شریف پڑھا جائے۔

۴۔ درود شریف پڑھ کر یہ دعا کی جائے۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ (اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے)

۵۔ مسجد میں داخل ہو کر پہلے دو رکعت نماز پڑھی جائے جسے تَحِیَّۃُ الْمَسْجِدْ

کہا جاتا ہے۔

۶۔ مسجد میں داخل ہو کر یونہی بغیر کوئی عبادت کیے باہر نہ نکلا جائے۔

۷۔ مسجد میں ہنسی مذاق، شور و غل، دنیاوی باتیں اور خرید و فروخت وغیرہ کرنے سے پرہیز کی جائے۔

۸۔ مسجد میں اس طرح سکون، عاجزی اور وقار سے بیٹھا جائے کہ دل پر خدا کی عظمت اور ہیبت چھائی ہوئی ہو۔

۹۔ مسجد میں بدبودار چیز لے کر یا بدبودار چیز کھا کر جانے سے پرہیز کی جائے۔

۱۰۔ مسجد سے نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں باہر رکھا جائے اور ذیل کی دعا پڑھی جائے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ (خدایا میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں)۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جس مسجد میں نماز پڑھتے تھے وہ اُن کے گھر سے چالیس قدم کے فاصلے پر واقع تھی۔ آپ اس مسجد کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ تمام عمر ایک دفعہ بھی کبھی راستے میں نہ تھوکا۔

سیرۃ النبیؐ اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد عبادت گاہ ہونے کے علاوہ درس گاہ اور عدالت کی حیثیت بھی رکھتی تھی۔ حضورؐ نے جب فیصلے چکانے ہوتے، باہر سے آنے والے وفود سے ملاقات کرنی ہوتی، لشکر تیار کر کے بھیجنے ہوتے تو یہ سب کام مسجد ہی میں کیے جاتے۔ اسلام آنے کے بعد کئی صدیوں تک یہ صورت رہی کہ درسگاہوں کے لیے علیحدہ عمارتیں بنانے کے بجائے مساجد ہی سے درس گاہوں کا کام

لیا جاتا تھا۔

مختصر یہ کہ ہر مسلمان کی زندگی میں مسجد ایک مرکز کی حیثیت رکھتی ہے اور جس مسلمان کی زندگی مسجد سے کٹی ہوئی ہے تو گویا وہ ایک بے سہارا شخص ہے جو اپنے مرکز سے کٹا ہوا ہے!

اذان شروع شروع میں مسلمانوں کے ہاں کوئی ایسی علامت نہیں تھی جس سے نماز کے وقت نمازیوں کو پتہ چل سکتا کہ اب نماز پڑھی جانے لگی ہے۔ اس مسئلے پر غور و فکر اور صلاح و مشورہ ہوا۔ بعض لوگوں کی رائے تھی کہ نماز کے وقت ناقوس بجا دیا جایا کرے، بعض نے نرسنگا بجانے کا مشورہ دیا۔ بعض نے جھنڈا بلند کرنے کا، وغیرہ وغیرہ۔ مگر کسی طریقے پر بھی ابھی عمل نہیں کیا گیا تھا کہ ایک صحابیؓ حضرت عبداللہؓ بن زید نے ایک خواب دیکھا جس میں انہیں اذان کے کلمات کی تلقین کی گئی تھی۔ حضرت عبداللہؓ بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو دو سبز کپڑے پہنے ہوئے اور ایک ناقوس اٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ او خدا کے بندے، کیا تو یہ ناقوس بیچے گا؟ اُس نے کہا کہ تم اسے کیا کرو گے۔ میں نے جواب دیا کہ میں اس سے نماز کے لیے آواز کروں گا۔ وہ بولا کہ میں تمہیں اس سے اچھی بات نہ بتاؤں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا، تو اُس نے کہا کہ تم یوں کہو۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ	اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ	اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ
حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ	حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ
اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

یہ خواب دیکھ کر حضرت عبداللہؓ بن زید حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری بات سُنائی۔ حضورؐ نے اسے پسند کیا اور فرمایا کہ اچھا تم بلالؓ کو یہ کلمات سکھا دو اور وہ اذان دے کیونکہ اُس کی آواز تمہاری آواز سے زیادہ بلند ہے۔ لہٰذا عبداللہؓ بن زید نے حضرت بلالؓ کو ساتھ لیا اور مسجد میں پہنچے۔ وہ حضرت بلالؓ کو الفاظ بتاتے جاتے تھے اور حضرت بلالؓ اذان دیتے جاتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ بن خطّاب نے یہ الفاظ سُنے تو آپ بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے۔ (ابن ماجہ)

لہٰذا اذان کا طریقہ جاری ہو گیا جو آج تک جاری ہے اور انشاءاللہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اب نماز کے لیے اطلاع دینا بہت آسان ہو گیا۔ جب نماز کا وقت آتا اذان دے دی جاتی اور سب کو پتہ چل جاتا کہ اب نماز ہونے لگی ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے مؤذن حضرت بلالؓ تھے۔ آپ نہایت ذوق و شوق سے اذان دیا کرتے تھے۔

عبادت کی طرف بلانے کے لیے مختلف مذاہب اور اقوام نے جو جو طریقے اب تک اختیار کیے ہیں، اُن میں اذان کا طریقہ اپنی افادیت اور تاثر کے لحاظ سے بہترین ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ لوگوں کو نماز کے اوقات کا پتہ چل جاتا ہے بلکہ اس سے مسلمانوں کی ہر بستی میں، دن میں پانچ مرتبہ، بآواز بلند اُن عقائد کا اعلان بھی ہو جاتا ہے جن پر اُن

کے دین کی بنیاد قائم ہے اور اس بندوبست کے باعث فضا بار بار اس نعرے سے گونج اٹھتی ہے جس میں کائنات کی سب سے بڑی حقیقت بیان کی جاتی ہے کہ اس کا خالق و مالک صرف ایک ہی ہے۔

حضورؐ کے اقوال مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ راہِ خدا اذان دینا بہت زیادہ اجر و ثواب اور فضیلت کا باعث ہوتا ہے۔ بخاری میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ جب اذان شروع ہوتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن کو نصیحت فرمائی کہ جب تم اپنی بکریوں (کے گلے) میں یا اپنے جنگل میں ہو اور نماز کے لیے اذان کہو تو اپنی آواز کو بلند کرو۔ اس لیے کہ مؤذن کی آواز کو جو کوئی جن یا انسان یا کوئی اور سنے گا وہ اس کے لیے قیامت کے دن گواہی دے گا۔ حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا کہ یہ بات میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ (بخاری)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے (حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن (بھی) کہا (یعنی تین شخص قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ پھر حضورؐ نے بتایا کہ وہ تین خوش قسمت کون ہوں گے۔ ایک) وہ غلام جس نے خدا کا حق بھی ادا کیا ہوگا اور اپنے مالکوں کا بھی اور (دوسرے) وہ آدمی جو کسی قوم کی امامت کرتا رہا ہوگا اور وہ لوگ اس (کی امامت) سے خوش ہوں گے اور (تیسرے) وہ شخص جو صبح و شام کے دوران پانچ نمازوں کی

اذان دیتا رہا ہوگا۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام (مقتدیوں کی نماز کا) ذمہ دار ہے اور مؤذن امانت دار ہے۔ اے خدا ہدایت دے اماموں کو اور بخش دے مؤذنوں کو۔ (ابوداؤد)

یہاں امام کے ذمہ دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مقتدیوں کی نماز کا صحیح ہونا امام کی نماز کے صحیح ہونے پر منحصر ہے۔ کیونکہ مقتدیوں نے تو اس کی پیروی کرنی ہے۔ لہٰذا امام کو چاہیے کہ درست طریقے سے سُنّت کے مطابق نماز ادا کرے اور مؤذنوں کے امانتدار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اُن پر اعتماد کر کے اُن کی اذان سُن کر نماز پڑھتے اور روزہ کھولتے ہیں۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وقت کا دھیان رکھیں اور ٹھیک وقت پر اذان دیں۔

حضرت معاویہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن مؤذنوں کی گردنیں سب لوگوں سے زیادہ لمبی ہوں گی۔ (مسلم)

واضح رہے کہ عربوں کے ہاں لمبی گردن سرداری کی صفت سمجھی جاتی تھی۔

حضورؐ کی احادیث سے یہ بھی ہدایت ملتی ہے کہ جب مؤذن اذان دے تو سُننے والوں کو اس کے کلمات کے جواب میں کیا کہنا چاہیے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مؤذن کہے اللہ اکبر، اللہ اکبر تو تم میں سے جو کوئی (سن رہا) ہو، وہ کہے اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ اور جب وہ کہے اَشْھَدُ

اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو یہ (یعنی سُننے والا) کہے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ — اور جب وہ کہے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، تو یہ کہے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ — پھر جب وہ کہے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ تو یہ کہے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ. پھر جب وہ کہے حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ تو یہ کہے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ. پھر جب وہ کہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ تو یہ کہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ — پھر جب وہ کہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو یہ بھی کہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، دل سے (جب ایسا کرے گا) تو جنت میں داخل ہوگا۔ (ابوداؤد)

یہ تو وہ کلمات ہیں جو مؤذن کے کلمات کے پیچھے پیچھے کہے جاتے ہیں۔ پھر جب اذان ختم ہو جائے تو بعد میں ایک دعا مانگنا بھی مسنون ہے۔ وہ دعا ذیل کی حدیث میں موجود ہے۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اذان سُن کر یہ کہا۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ۔

اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔ (بخاری)

اس دعا کا ترجمہ یہ ہے: "اے اللہ، جو رب ہے اس پوری پکار کا (یعنی اذان کا) اور رب ہے قائم رہنے والی نماز کا، عطا فرما محمدؐ کو

وسیلہ اور بزرگی اور پہنچا اُن کو مقامِ محمود میں جس کا تُو نے وعدہ کیا ہوا ہے"

اس دعا میں حضورؐ کے لیے تین چیزیں مانگی گئی ہیں۔ وسیلہ، بزرگی اور مقامِ محمود۔ وسیلہ کا ایک مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ اس کا مطلب قُرب اور شفاعت کی قبولیت ہے اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وسیلہ بہشت میں ایک منزل کا نام ہے ۔۔ مقامِ محمود سے مراد ہے ایسا مقام جس پر پہنچنے والے کی تعریف و توصیف ہو۔ حضورؐ کے لیے مقامِ محمود مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ آپؐ کو دنیا اور آخرت میں ایسے مرتبے پر پہنچا دے کہ ہر طرف سے آپؐ کی مدح و ستائش ہو اور آپؐ ایک قابلِ تعریف ہستی بن کر رہ جائیں۔ بعض نے مقامِ محمود کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ وہ مقام جس کے باعث سب لوگ آپؐ کا شکریہ ادا کریں یعنی شفاعت کا مقام۔ شفاعت کے باعث لوگوں کو میدانِ حشر کی تکلیفوں سے نجات ملے گی اور وہ آپؐ کے شکر گزار ہوں گے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جب تم لوگ مؤذن کی آواز سنو تو جیسے وہ کہے تم بھی کہو اور مجھ پر دُرود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ اس پر دس بار رحمت بھیجے گا۔ پھر میرے لیے وسیلہ مانگو۔ بے شک وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے جو خدا کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لائق ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ پس جس نے میرے لیے وسیلہ مانگا اُس کے لیے (میری) شفاعت حلال ہو جائے گی۔ (نسائی)

جماعت نماز عورتوں اور مردوں دونوں پر یکساں فرض ہے مگر دونوں جنسوں میں ایک فرق رکھا گیا ہے۔ وہ یہ کہ عورت کی وہ نماز عمدہ سمجھی گئی ہے جو وہ اپنے گھر میں ادا کرے اور مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں آکر باجماعت نماز پڑھے۔ مردوں کے لیے فرض رکعات کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا اتنا ضروری سمجھا گیا ہے کہ جو لوگ اس معاملے میں غفلت برتتے ہیں انہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید سنائی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل میں آتا ہے کہ نماز کا حکم دوں اور نماز کھڑی ہو تو پھر میں اُن لوگوں کے گھروں میں جاؤں جو (آکر) نماز میں شریک نہیں ہوتے اور اُن پر آگ لگا دوں (یعنی اُن کے اپنے گھروں میں موجود ہوتے ہوئے اُن کے گھروں کو جلا دوں)۔ (بخاری)

مردوں کے لیے جماعت میں نماز پڑھنا اتنا ضروری ہے کہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر تین آدمی بھی ہوں تو بھی جماعت کی شکل میں نماز ادا کریں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تین آدمی ہوں تو اُن میں سے ایک آدمی دو کا امام بن جائے (اور انہیں نماز پڑھائے) اور اُن میں امام بننے کا زیادہ حقدار وہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہو۔ (مسلم)

حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جو تین آدمی کسی بستی یا جنگل میں ہوں اور یہ

وہ باجماعت نماز نہ پڑھیں تو شیطان اُن پر غالب آجاتا ہے۔ لہٰذا تم جماعت کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کر لو، کیونکہ بھیڑیا اُسی بکری کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے دُور الگ رہتی ہو۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فرمان ہے کہ اگر تم مسجدیں چھوڑ کر گھروں میں نماز پڑھنے لگے تو تم اپنے رسولؐ کی سنّت کو ترک کر دو گے اور سنّت رسولؐ ترک کرنے سے خطرہ ہے کہ تم ایمان سے محروم نہ ہو جاؤ۔

احادیث یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ مردوں کے لیے باجماعت نماز ادا کرنا تنہا نماز ادا کرنے کی نسبت بہت زیادہ فضیلت والی بات ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے وہ تنہا پڑھی جانے والی نماز سے تائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اُس کے اپنے گھر میں نماز پڑھنے یا اپنے بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس گنا (ثواب میں) زیادہ ہے اور ایسا اس لیے ہے کہ جب وہ وضو کرتا ہے اور خوب اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر مسجد کی طرف نکلتا ہے اور صرف نماز کے قصد ہی نے اُسے (گھر سے) نکالا ہوتا ہے تو پھر جو قدم بھی وہ اٹھاتا ہے اُس سے اُس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو جب تک وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر رہتا ہے فرشتے مسلسل اُس [illegible] بھیجتے رہتے ہیں کہ "اے خدا، اس پر رحمت نازل فرما، اے

خدا اس پر مہربانی فرمائے" اور تم میں سے ہر شخص جب تک نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ وہ نماز ہی میں (سمجھا جاتا) ہے۔ (بخاری)

حضرت عمرؓ بن خطاب کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک صاحب سلیمان بن ابی حثمہ کو صبح کی نماز میں نہ دیکھا۔ ان صاحب کا گھر بازار اور مسجد نبوی کے درمیان تھا۔ حضرت عمرؓ بازار کی طرف گئے تو انہوں نے سلیمان بن ابی حثمہ کی والدہ شفاء سے فرمایا کہ آج میں نے سلیمان کو صبح کی نماز میں نہیں دیکھا۔ شفاء نے عرض کیا کہ وہ رات بھر نماز پڑھتے رہے اور صبح ان پر نیند نے غلبہ پا لیا۔ اس لیے وہ صبح کی جماعت میں حاضر نہ ہو سکے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں صبح کی جماعت میں حاضر ہوں بہ نسبت اس کے کہ میں رات بھر کھڑا عبادت کرتا رہوں۔

عبدالرحمن ابن ابی عمرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ بن عفان مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں داخل ہوئے اور تنہا بیٹھ گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا تو انہوں نے فرمایا "اے بھتیجے، میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی گویا اس نے آدھی رات کھڑے ہو کر عبادت کی اور جس نے صبح کی نماز باجماعت ادا کی گویا اس نے ساری رات نماز پڑھی۔ (مسلم)

انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، نظم و ضبط سے کام کرنا انسان کے لیے ہمیشہ فائدے اور خیر و برکت کا باعث ثابت ہوتا ہے۔ اسلامی احکام پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں نظم و ضبط کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ نماز کے ساتھ جماعت کی پابندی نے اسلامی معاشرے میں اعلیٰ درجے کا نظم قائم کر دیا

ہے۔ نماز باجماعت کے ذریعے مسلمانوں کو اس بات کی مسلسل تربیت ملتی رہتی ہے کہ وہ ایک سربراہ کے ماتحت رہ کر منظم زندگی گزاریں۔ حکم ہے کہ صفیں سیدھی اور درست رکھی جائیں۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہوں اور امام کی پوری پوری پیروی کی جائے۔ اس سے مسلمانوں میں اطاعتِ امیر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، بڑے اور چھوٹے کا فرق مٹتا ہے، مساوات قائم ہوتی ہے اور یہ سارا انتظام دیکھنے والوں کے دل میں عظمتِ اسلام کا نقش بٹھاتا ہے۔

حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی صفوں کو سیدھا اور بالکل برابر رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رُخ ایک دوسرے کے مخالف کر دے گا۔ (بخاری)

یعنی تمہاری وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی اور تم میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ ایسے ہی امام کی اطاعت کا بھی تاکید سے حکم دیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام تو اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، لہٰذا اس سے اختلاف نہ کرو۔ پس جب وہ رکوع کرے تو تم لوگ (بھی) رکوع کرو، اور جب وہ کہے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ تو تم کہو رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ۔ اور جب وہ سجدہ کرے تو تم (بھی) سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب (بھی) بیٹھ کر نماز پڑھو اور نماز میں صفوں کو درست کرو کیونکہ صفوں کو درست کرنا نماز کے حُسن کا ایک حصّہ ہے۔ (بخاری)

امام کی اطاعت ہی کے سلسلے میں یہ حکم بھی ہے کہ نماز ادا کرتے ہوئے امام کے پیچھے پیچھے رہا جائے اور نماز کا کوئی رُکن امام سے پہلے نہ ادا کر لیا جائے۔ مثلاً رکوع یا سجدہ کرنا ہے تو جب تک امام رکوع یا سجدے

میں نہ چلا جائے مقتدی نہ جائیں۔ ایسے ہی سجدے سے سر اٹھانا ہے تو امام پہلے اپنا سر اٹھائے تو مقتدی اس کے بعد اٹھائیں۔ یہی حال نماز کے دوسرے ارکان کا ہے۔ ہر رکن کی ادائیگی امام پہلے شروع کرے اور مقتدی اس کے بعد اس کے پیچھے پیچھے اسے ادا کریں۔ اس بات کا بڑی تاکید سے حکم دیا گیا ہے اور جو اس حکم کی پابندی نہ کریں ان کے لیے بڑے سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھا لیتا ہے کیا وہ اس بات کا خوف نہیں رکھتا کہ خدا اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے یا اس کی صورت کو گدھے کی صورت بنا دے۔ (بخاری)

حضورؐ نے ایک تو امام کی پیروی کا حکم فرمایا ہے اور دوسرے یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ کسی کو امام بناتے وقت اس میں کون کون سی صفات دیکھنی چاہیے۔

حضرت ابومسعود انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کی امامت وہ شخص کرے جو ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہو، اور اگر اس میں سب یکساں ہوں تو پھر وہ (آدمی امامت کرے) جو سنت (اور شریعت) کا زیادہ علم رکھتا ہو، اور اگر سنت (اور شریعت) کے علم میں بھی سب برابر ہوں تو پھر وہ (شخص امام بنے) جس نے پہلے ہجرت کی ہو اور اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو پھر وہ (شخص امامت کرے) جو عمر کے لحاظ سے مقدم ہو۔ (مسلم)

نماز باجماعت کا نظام واضح کرتا ہے کہ اسلام میں امیر غریب سب ہم رتبہ ہیں۔ حکم دیا گیا ہے کہ صفوف میں سب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہوں اور بیچ میں جگہ نہ چھوڑی جائے۔ اس طرح ایک بڑا رئیس شخص اور ایک

انتہائی غریب آدمی جب ٹخنے کے ساتھ ٹخنہ اور کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں تو امیر کے دل سے احساسِ برتری کم ہوتا ہے اور غریب کے دل سے احساسِ کہتری دُور ہوتا ہے۔ نماز باجماعت کا نظام اسلامی مساوات کا ایک دلکش مظہر ہوتا ہے۔

شیخ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ میں خوارزم گیا تو وہاں شیخ بدرالدین اعظم رح سے ملاقات حاصل ہوئی۔ شیخ وہاں کی شاہی مسجد کے امام اور خطیب تھے۔ جمعے کے دن میں بھی اُن کے ساتھ مسجد گیا۔ جب وہ منبر پر گئے، تو سلطان کا ایک پیامبر آیا اور عرض کیا کہ سلطان کا حکم ہے کہ آج نماز اور خطبے میں ذرا تاخیر کیجیے۔ یہ سن کر شیخ طیش میں آگئے اور غصّے سے بولے کہ نماز اللہ کے لیے ہے یا سلطان کے لیے! اور حسبِ معمول خطبہ پڑھا اور نماز پڑھائی۔ ایک رکعت پڑھی گئی تھی کہ سلطان آگیا۔ اُس وقت تمام مسجد نمازیوں سے بھر چکی تھی۔ سلطان نے بڑی تنگ جگہ میں تکلیف سے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد سلطان نے جاکر شیخ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُن کی حق پرستی کا شکریہ ادا کیا اور اپنی غلطی کی معافی مانگی۔ شیخ نے فرمایا کہ اسلام کا مقصد ہر چھوٹے بڑے کو ایک سطح پر لانا ہے۔ اس جگہ ادنیٰ و اعلیٰ کا کوئی سوال نہیں۔ سلطان نے جزاک اللہ کہا اور شیخ کا ہاتھ چوم لیا۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب "اسلام کا سرچشمۂ قوت" میں دو غیر مسلموں کے بیان نقل فرمائے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ نماز باجماعت کا نظام اپنے اندر کتنی دلکشی اور اثر رکھتا ہے۔

"اسکندریہ کے ایک یہودی سعید بن حسن نے لکھا ہے کہ میں محض مسلمانوں کی عبادت کو دیکھ کر مسلمان ہوا ہوں۔ ایک دفعہ میں جامع مسجد میں نماز کا منظر دیکھنے گیا۔ سب سے پہلے جس چیز نے میرے دل پر اثر کیا وہ خطبہ تھا۔ اس کا ایک ایک لفظ میرے دل پر اثر کر رہا تھا اور خصوصاً

جب خطیب نے کہا کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ۔ (النحل: ۹۰)،

(اللہ عدل اور احسان اور صلۂ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بدی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے) تو میرے دل میں ایسے مذہب کی بے حد عزت قائم ہو گئی جس کا خدا اتنی اعلیٰ تعلیم دیتا ہو۔ پھر جب نماز شروع ہوئی اور مسلمان پرسے کے پرے باندھ کر کھڑے ہوئے تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ یہ فرشتے ہیں جن کے سامنے خدا بے نقاب ہو کر آ گیا ہے اور میرے دل نے کہا کہ اگر خدا نے دو مرتبہ بنی اسرائیل سے کلام کیا تھا تو اس قوم کے ساتھ وہ روز پانچ مرتبہ کلام کرتا ہے۔"

(اسلام کا سرچشمۂ قوت صفحہ ۲۳)

"پادری لیفرائے اپنی کتاب MANKIND AND CHURCH میں لکھتا ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں کی اس عبادت کو دیکھ کر اس کے اثر سے مغلوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ مسلمان خواہ کہیں ہو، سڑک پر چل رہا ہو، ریلوے اسٹیشن پر ہو، دکان پر بیٹھا ہو، یا میدان میں ٹہل رہا ہو، اذان ہوتے ہی سب کام چھوڑ دیتا ہے اور ایک خدا کے آگے جھک جاتا ہے خصوصیت کے ساتھ جس شخص نے دہلی کی جامع مسجد میں الوداع کے دن پندرہ بیس ہزار مسلمانوں کو نہایت خاموشی اور خشوع و خضوع کے ساتھ دیکھا ہو وہ اس منظر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس کے دل میں اس قوت کا احساس ضرور پیدا ہوتا ہے جو اس مذہبی نظام میں کام کر رہی ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کی روزانہ پنج وقتہ نماز کی باقاعدگی اور انتہائی شور وغل کے اوقات میں بھی ان کا سکون اور اطمینان سے اپنا فرض ادا کرنا اپنے اندر ایک خاص پیغام رکھتا ہے"۔

(اسلام کا سرچشمۂ قوت، صفحہ ۲۴)

نماز باجماعت کی فضیلت کے پیش نظر صالح لوگوں نے ہمیشہ جماعت کی پابندی کا التزام رکھا اور ان میں ایسے عاشقانِ پاک طینت بھی تھے کہ جن صورتوں میں انہیں جماعت کی پابندی سے معافی حاصل ہوتی تھی اُن میں بھی وہ جماعت میں شریک ہونے ہی کو ترجیح دیتے تھے۔

حضرت سلیمان بن مہران تابعیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ستر سال تک آپ کی تکبیر اُولیٰ کبھی قضا نہیں ہوئی۔

تکبیر اولیٰ وہ تکبیر ہے جو نماز شروع کرتے ہوئے سب سے پہلے کہی جاتی ہے۔

ابراہیم بن یزید تیمی تابعیؒ کے بارے میں بھی یہی روایت کیا گیا ہے کہ آپ کی تکبیر اولیٰ کبھی قضا نہ ہوتی تھی اور جو لوگ سستی کے باعث دیر سے مسجد پہنچتے ہیں یہاں تک کہ تکبیر اولیٰ ہو چکی ہوتی ہے، اُن کو آپ بالکل گیا گزرا سمجھتے تھے فرماتے تھے کہ جس کو تکبیر اولیٰ میں تساہل کرتے دیکھو اس سے ہاتھ دھو ڈالو۔

حضرت عمرو بن دینار رحؒ جماعت کے اس قدر پابند تھے کہ بڑھاپے میں بھی جبکہ بہت کمزور ہو چکے تھے اور چل پھر بھی نہیں سکتے تھے، گدھے پر سوار ہو کر مسجد ضرور جاتے تھے۔ آپ کا کوئی خادم یا شاگرد آپ کو گدھے پر سوار کراتا تھا کیونکہ آپ خود سوار بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ آپ کے ایک شاگرد سفیان بن عُیَینہؒ بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن دینار رحؒ کسی حالت میں بھی مسجد جانا ترک نہیں کرتے تھے۔ جب میں کمسن تھا تو ہم انہیں گدھے پر سوار کر کے مسجد لے جاتے تھے اور جب میں بڑا

ہو گیا، تو میں اُن کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر مسجد لے جاتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت حاتم اصم رح کی جماعت فوت ہو گئی۔ آپ کو اس کا شدید صدمہ ہوا۔ آپ ان دنوں بلخ میں تھے۔ ایک دو ملنے والوں نے جماعت فوت ہو جانے پر اظہار افسوس کیا۔ اس پر آپ رونے لگے اور فرمایا کہ اگر میرا ایک بیٹا مر جاتا تو آدھا بلخ تعزیت کے لیے آتا مگر میری نماز با جماعت فوت ہونے پر صرف ایک دو آدمیوں نے تعزیت کی ہے۔ یہ صرف اس لیے ہے کہ دین کی مصیبت لوگوں کی نگاہ میں دنیا کی مصیبت سے ہلکی ہے۔

حضرت ربیع بن خثیم تابعی رح نماز با جماعت کے از حد پابند تھے۔ آخری عمر میں فالج ہو گیا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے، پھر بھی دوسروں کے سہارے گھسٹتے ہوئے مسجد پہنچتے تھے اور جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ لوگ کہتے کہ ابو یزید، اس مجبوری کی حالت میں تو آپ کو گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ جواب دیتے کہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ (نماز کی طرف آؤ) اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح (کامیابی کی طرف آؤ) سننے کے بعد جہاں تک ہو سکے اس کا جواب دینا چاہیے۔

حضرت سعید بن مسیب رح کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ آپ کو جماعت میں اتنا اہتمام تھا کہ چالیس سال تک (اور ایک روایت کے مطابق پچاس سال تک) ایک وقت کی نماز با جماعت بھی ناغہ نہیں ہوئی۔ کبھی ایسے وقت مسجد میں آنے کا اتفاق نہیں ہوا جب لوگ نماز ختم کر کے واپس جا رہے ہوں۔

خواتین اور مسجد

نماز با جماعت کی فضیلت کے سلسلے میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ جماعت کی پابندی مردوں ہی کے لیے ہے۔ عورتوں پر نہ صرف یہ کہ مسجد میں جا کر با جماعت نماز پڑھنے کی پابندی نہیں بلکہ اُن کی جو نماز گھر میں ادا ہو وہ مسجد میں ادا کی جانے والی نماز سے بہتر سمجھی گئی ہے۔ تاہم

حضورؐ نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ اگر عورتیں مسجد میں آکر نماز ادا کرنا چاہیں تو انہیں روکا نہ جائے۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی کنیزوں (یعنی عورتوں) کو اللہ کی مسجدوں میں آنے سے مت روکو۔ (مسلم)

حضرت سالم بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جب تمہاری عورتیں تم سے مسجدوں میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں مت روکو (حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی یہ بات سُن کر اُن کے بیٹے) بلال بن عبداللہؓ بولے کہ خدا کی قسم ہم تو انہیں ضرور منع کریں گے۔ سالم بیان کرتے ہیں کہ یہ سنتے ہی حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بلال کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اس بُری طرح ڈانٹا کہ اس سے پہلے میں نے انہیں ایسے ڈانٹتے ہوئے کبھی نہیں سُنا تھا اور فرمایا کہ میں تم سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کر رہا ہوں (کہ عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع نہ کیا جائے) اور تم کہتے ہو کہ خدا کی قسم، ہم انہیں ضرور منع کریں گے۔ (مسلم)

حضرت عمرؓ کی زوجۂ محترمہ مسجد جایا کرتی تھیں اور حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ وہ گھر ہی نماز پڑھا کریں اور مسجد نہ جایا کریں، مگر وہ صاف الفاظ میں منع نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا وہ مسجد جاتی رہیں۔ ایک دفعہ لوگوں نے اُن سے کہا کہ جب حضرت عمرؓ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ آپ مسجد جائیں تو پھر آپ کیوں جاتی ہیں۔ وہ کہنے لگیں کہ پھر وہ مجھے صاف صاف منع کیوں نہیں کرتے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ منع اس لیے نہیں فرماتے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کی کنیزوں کو خدا کی مساجد میں جانے سے مت روکو۔

ان روایات سے واضح ہوجاتا ہے کہ مردوں کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ عورتوں کو مساجد میں جانے سے روکیں۔ دن کے دوران کی نمازیں ہوں یا رات کے اندھیرے کی، وہ جس نماز میں بھی شرکت کرنا چاہیں، کر سکتی ہیں۔ اگرچہ اُن پر شرکت کرنے کی پابندی نہیں ہے۔ البتہ خواتین کو اس بات کی ضرور تاکید فرمائی گئی ہے کہ وہ مساجد میں خوشبو لگا کر نہ آئیں۔

ایک صحابیہؓ حضرت زینبؓ زوجہ عبداللہ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم (عورتوں) سے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو خوشبو لگا کر نہ آئے۔ (مسلم)

مسجد اسلامی معاشرے میں ایک مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا عورتوں کا اس سے کسی نہ کسی شکل میں تعلق رہنا لازمی ہے۔ ان پر نماز باجماعت کی پابندی تو نہیں تاہم انہیں نماز باجماعت کی تاکید اور فضیلت کے بارے میں معلومات حاصل ہونا نہایت ضروری ہے۔

ایک تو اس لیے کہ یہ علم دین کا ایک حصّہ ہے۔ دوسرے اس لیے کہ اگر انہیں یہ معلومات حاصل ہوں گی تو توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ گھر کے مردوں کو اس طرف توجہ دلاتی رہیں گی اور تیسرے اس لیے کہ جب مائیں خود نماز باجماعت اور مسجد کی فضیلت سے واقف ہوں گی تو اُمید ہے کہ وہ اپنی اولاد کے بچپن ہی سے ان کے دلوں میں یہ فضیلت نقش کرنے کی کوشش کریں گی۔ نیکوکار خواتین کے لیے یہ بڑی فضیلت کی بات ہے کہ اگر ان کے شوہر، باپ، بھائی یا دوسرے رشتے دار مرد بدقسمتی سے نماز باجماعت کی طرف سے غافل ہوں تو وہ انہیں اس طرف توجہ دلائیں اور انہیں نماز باجماعت کی فرضیت اور فضیلت سے واقف کراتی رہیں۔

ایسے ہی وہ ہوشیار بچے جن سے یہ خطرہ نہ ہو کہ مسجد میں جا کر کسی حرج کا باعث بنیں گے، انہیں مسجد بھیجنا چاہیے اور بچپن ہی سے اُن کے دلوں میں مسجد کی مرکزیت اور فضیلت کا نقش بٹھانا چاہیے۔ بچوں کو عام نمازوں کے لیے بھی اور خصوصی طور پر جمعے کی نماز کے لیے تیار کر کے مسجد بھیجنا ایک مسلمان ماں کی نمایاں صفت ہونی چاہیے۔ ضروری ہے کہ بچپن ہی سے بچے کے دل میں مسجد کی محبت بٹھائی جائے اور اس کی تربیت اس طرح کی جائے کہ مسجد جانا اُس کے لیے خوشی اور مسرت کا باعث ہو۔

اس کے علاوہ مسجد کی خدمت کرنا بھی بہت فضیلت والا کام ہے اور خواتین حسبِ استطاعت مسجدوں کی مالی امداد کر کے، وہاں روشنی اور صفائی کے بندوبست میں امداد دے کر، وہاں کے لیے خوشنما چٹائیاں اور ضرورت کی دیگر چیزیں بہم پہنچا کر اس کارِ خیر میں حصہ لے سکتی ہیں — مختصر یہ کہ خواتین پر جماعت کی پابندی تو نہیں مگر مسجد سے محبت اور اس سے دلی تعلق قائم رہنا ایک مسلمان عورت کے لیے ایک بالکل طبعی امر ہے۔

جمعہ

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن دنوں میں سورج نکلتا ہے اُن میں بہترین دن جمعے کا دن ہے۔ اسی دن آدمؑ پیدا کیے گئے اور اسی دن وہ جنت میں داخل کیے گئے اور اسی دن وہ جنت سے (زمین پر) اتارے گئے، اور اس (دن) میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ جو مسلمان بندہ بھی اس گھڑی نماز پڑھ رہا ہوتا ہے، پھر اُس میں اللہ سے کچھ مانگتا ہے اللہ اُسے وہ شے ضرور عطا کرتا ہے.....

(ترمذی)

جمعے کا دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنوں سے زیادہ افضل اور ممتاز

ہے۔ اس مقدس دن میں مسلمان جمع ہو کر اجتماعی طور پر خدا کا ذکر کرتے ہیں اور نصیحت کی باتیں سنتے ہیں۔ حضورؐ نے جمعے کو مسلمانوں کے لیے عید کا دن قرار دیا ہے اور اس دن جمعے کی نماز اور جمعے کے خطبے کو واجب ٹھہرایا ہے۔ یہودیوں کے ہاں ہفتے کا دن عبادت کے لیے مخصوص تھا، عیسائیوں نے اتوار کو اپنا مقدس دن قرار دے لیا اور مسلمانوں کے لیے جمعے کا دن معین کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ (الجمعۃ : ۹)

"اے ایمان والو، جب پکارا جائے نماز کے لیے جمعے کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔"

جمعے کی نماز واجب ہے اُن مردوں پر جو بالغ، آزاد، تندرست اور مقیم ہوں یعنی نماز جمعہ عورت پر، بچے پر، غلام پر، بیمار اور معذور پر اور مسافر پر واجب نہیں۔ ویسے یہ لوگ اگر نماز جمعہ پڑھنا چاہیں تو انہیں اجازت ہے۔ نماز جمعہ پڑھ لینے سے ظہر کی نماز بھی ادا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا مندرجہ بالا لوگ جن پر نماز جمعہ واجب نہیں، اگر نماز جمعہ پڑھ لیں تو انہیں بھی ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ نماز جمعہ پڑھ لینے ہی سے اُن کی ظہر کی نماز بھی ادا ہو جائے گی۔ اگرچہ نماز باجماعت کی طرح نماز جمعہ بھی خواتین پر واجب نہیں تاہم جیسے کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے، انہیں نماز جمعہ کی تاکید اور فضیلت سے اچھی طرح واقفیت ہونی چاہیے تاکہ وہ گھر کے مردوں کو اس معاملے میں غفلت کرنے سے روکتی رہیں اور بچوں کی تربیت میں اس بات کا دھیان رکھیں کہ شروع ہی سے اُن کے دلوں میں جمعے کی اہمیت نقش ہو جائے۔

حضورؐ نے بھی نمازِ جمعہ کا تاکید سے حکم فرمایا ہے۔

اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (نماز) جمعہ کو جانا واجب ہے ہر بالغ مرد پر۔ (نسائی)

حضورؐ کے ایک صحابی ابو جَعْد ضَمْری رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص نماز جمعہ کو معمولی چیز سمجھتے ہوئے تین جمعے چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مُہر کر دے گا۔ (نسائی)

حضرت ابنِ عباسؓ اور حضرت ابنِ عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے منبر کی لکڑیوں پر تشریف رکھتے تھے کہ آپؐ نے فرمایا کہ لوگوں کو جمعے چھوڑنے سے باز آجانا چاہیے، ورنہ اللہ ضرور اُن کے دلوں پر مُہر کر دے گا اور وہ لازماً غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ (نسائی)

حضورؐ کے ان ارشادات کا اثر یہ تھا کہ صحابۂ کرامؓ جمعے کو بہت زیادہ اہمیّت دیتے تھے اور اُس کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ جمعے کے دن نہانا دھونا، اچھا لباس پہننا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا یہ سب بہت پسندیدہ امور ہیں۔ البتہ خواتین کو، جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا، خوشبو لگا کر مسجد میں جانے کی ممانعت ہے۔

حضرت ابنِ سبّاقؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک جمعے کو فرمایا کہ اے مسلمانوں کی جماعت، یہ (جمعہ) ایک ایسا دن ہے جسے اللہ نے عید بنایا ہے۔ پس تم (جمعے کے روز) غسل کیا کرو اور جس کے پاس خوشبو ہو تو اُسے اس میں سے کچھ لگانے میں حرج نہیں اور لازم کر لو تم مسواک کو۔ (مؤطّا)

سالم بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہؓ

میں سے کوئی شخص جمعے کے دن مسجد میں داخل ہوا جبکہ حضرت عمرؓ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُس آنے والے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ آنے کا کونسا وقت ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ امیرالمومنین، میں بازار سے لوٹا تو میں نے اذان کی آواز سُنی اور پھر میں نے وضو ہی کیا (اور چلا آیا) اس پر حضرت عمرؓ بولے کہ (اچھا) یہ (دوسرا قصور) بھی کیا کہ صرف وضو کر کے آ گئے حالانکہ تم جانتے ہو کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم غسل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ (مؤطّا)

یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کا کیا نقصان ہے اگر وہ اپنے کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ (خاص) جمعے کی نماز کے لیے دو کپڑے بنا رکھے۔ (مؤطّا)

نسائی میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس میں حضورؐ نے جمعے کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے فرمایا ہے:

فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ۔

"پس (جمعے کے دن) مجھ پر بکثرت درود بھیجو کیونکہ تم جو درود بھیجو گے وہ میرے سامنے پیش کیا جائے گا۔"

جمعے کی ایک خاص چیز جمعے کا خطبہ ہے جس میں امام نمازیوں کو وعظ و تلقین کرتا ہے۔ یہ خطبے کا نظام لوگوں کی دینی تربیت کے لیے نہایت ہی عمدہ بندوبست ہے۔ حضورؐ نے اس بات کی شدید تاکید فرمائی ہے کہ جب امام خطبہ دے رہا ہو تو کوئی شخص بولے نہیں۔ یہاں تک کہ ساتھ والا کوئی شخص باتیں کر رہا ہو تو اُسے یہ بھی نہ کہا جائے کہ "چُپ کر"۔ کیونکہ "چُپ کر" کہنا بھی تو بولنا ہی ہے اور خطبے کے دوران بالکل خاموش رہنا ضروری ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جمعے کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو، اگر تُو نے اپنے ساتھی سے کہا کہ "خاموش رہ" تو تُو نے (بھی) ایک لغو حرکت کی۔ (مؤطا)

ایسے ہی جب کوئی مسجد میں آئے تو جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جانا چاہیے اور لوگوں کی گردنوں کو پھاند کر آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

عبداللہ بن بُسرؓ بیان کرتے ہیں کہ جمعے کے دن جب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم خطبہ دے رہے تھے، ایک شخص لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہوا آیا تو حضورؐ نے اُس سے فرمایا کہ بیٹھ جا، تُو نے (لوگوں کو) اذیت دی۔

(ابوداؤد)

رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعض احادیث میں تو جمعے کی فضیلت بہت ہی عمدہ اور دل کش انداز میں بیان فرمائی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے جمعے کے دن (اچھی طرح) غسل کیا، جیسے کہ ناپاکی دُور کرنے کے لیے غسل کرتے ہیں، پھر وہ زوال کے بعد پہلی گھڑی میں مسجد میں) آگیا تو گویا اُس نے ایک اُونٹ کی قربانی دی اور جو دوسری گھڑی میں آیا تو گویا اُس نے ایک گائے کی قربانی دی اور جو تیسری گھڑی میں تو گویا اُس نے ایک سینگوں والے دُنبے کی قربانی دی اور جو چوتھی گھڑی میں آیا تو گویا اُس نے مرغی کی قربانی دی اور جو پانچویں گھڑی میں آیا تو گویا اُس نے ایک انڈے کی قربانی دی۔ پھر جب امام (خطبہ دینے کے لیے) نکل آتا ہے تو فرشتے (بھی) حاضر ہو جاتے ہیں اور ذکر (یعنی خطبہ) سُننے لگتے ہیں۔

(ترمذی)

یہاں پہلی گھڑی اور دوسری گھڑی اور تیسری گھڑی وغیرہ سے مراد یہ ہے کہ جمعے کا وقت شروع ہوتے ہی جو پہلے آگیا اور جو اُس کے بعد آیا اور جو اُس کے بعد آیا۔ یعنی کوئی جتنی جلدی نماز جمعہ کے لیے آئے گا اُتنا ہی زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جمعے کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے تمام دروازوں پر فرشتے متعین ہو جاتے ہیں (اور وہ جمعے کے لیے آنے والوں کے نام) لکھتے جاتے ہیں (کہ ان میں کون) پہلے آیا، (کون) اس کے بعد (کون اس کے بعد وغیرہ وغیرہ) پھر جب امام (خطبے کے لیے) بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنے صحیفوں کو لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سُننے لگتے ہیں۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے (جمعے کے دن) غسل کیا، پھر وہ جمعے کے لیے آیا، پھر (خطبے سے پہلے) جتنا اُس کے مقدر میں تھا، نماز پڑھی، پھر وہ خاموش بیٹھا (خطبہ سنتا رہا) یہاں تک کہ امام اپنے خطبے سے فارغ ہوگیا۔ پھر اُس نے امام کے ساتھ (جمعے کی) نماز ادا کی اور اُس کے وہ گناہ جو اُس جمعے اور دوسرے جمعے کے درمیان اور تین دن اور زائد کے تھے، بخش دیے جائیں گے۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ ہی کا بیان ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ نمازیں اور ایک جمعے سے دوسرے جمعے تک یہ سب اُن گناہوں کے کفّارے ہیں جو اُن کے درمیان ہوئے ہوں جب تک کہ کوئی کبیرہ گناہ نہ کرے۔ (ترمذی)

غرضیکہ جمعے کی فضیلت بے حد و حساب ہے اور جس شخص پر جمعہ واجب

ہو مگر وہ اس سے غفلت برتے اُس کی بے نصیبی میں کوئی شبہ نہیں۔ امام غزالیؒ جمعے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جمعے کے دن کی فیوض و برکات سے درحقیقت وہی مومن مالا مال ہوتا ہے جو اس کے انتظار میں گھڑیاں گنتا ہے اور وہ غفلت شعار تو انتہائی بدنصیب ہے جس کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کب جمعہ آیا اور وہ صبح کو لوگوں سے یہ پوچھے کہ آج کونسا دن ہے۔"

عیدین رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سال میں دو دنوں کو مسلمانوں کے تہوار قرار دیا ہے۔ ایک یکم شوال، جب عیدالفطر منائی جاتی ہے اور دوسرا دس ذوالحجہ، جب عیدالاضحیٰ منائی جاتی ہے جسے "بقرعید" بھی کہتے ہیں۔ عیدالفطر درحقیقت اس خوشی کا اظہار ہے کہ رمضان کا پورا مہینہ مسلمان خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے روزے رکھتے رہے، تراویح اور قرآن پڑھتے رہے اور دوسرے نیک کام کرنے کی کوشش کرتے رہے اور عیدالاضحیٰ اس عظیم قربانی کی یادگار ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب کے حضور میں پیش کی کہ آپ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان دونوں تہواروں کے دن بھی خاص نمازیں واجب کی گئی ہیں۔

عیدین کی نمازوں میں مسلمانوں کے اجتماعات اور اُن کا عیدگاہ میں باجماعت نماز ادا کرنا اسلام کی عظمت اور شوکت کا زبردست اظہار ہے۔ مجموعہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اس بات کی تلقین فرمائی ہے کہ عید کے دن غسل کیا جائے، اپنی آرائش و زیبائش اور صفائی ستھرائی کا اہتمام کیا جائے، حسبِ استطاعت عمدہ سے عمدہ لباس پہنا جائے، خوشبو اور مسواک استعمال کی جائیں،

صدقہ وخیرات کیا جائے اور خوشی منائی جائے۔ مسلمانوں کا عید کے دن کھلی جگہ یعنی عیدگاہ میں جمع ہو کر اجتماعی طور پر خدا کی عبادت کرنا اور اجتماعی دعا میں شریک ہونا از حد پسندیدہ ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو وہاں کے لوگوں کے ہاں دو دن ایسے تھے جن میں وہ کھیل کود کرتے تھے آپؐ نے فرمایا کہ یہ دو دن کیسے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے، تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے ان کے بدلے تمہیں ایسے دو دن دیے ہیں جو ان سے بہتر ہیں ایک عید) الاضحیٰ کا دن اور (دوسرا عید) الفطر کا دن۔ (ابوداؤد)

حضورؐ کے اقوال سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے مسلمان خواتین کو بھی تلقین فرمائی کہ وہ عید کے دن نماز عید اور اجتماعی دعا میں شرکت کیا کریں۔

حضرت اُمِّ عطیہؓ بیان کرتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ عید کے دن گھر سے نکلیں۔

ایک دفعہ ایک خاتون نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ اگر کسی عورت کے پاس اوڑھنے کے لیے کپڑا نہ ہو تو وہ کیا کرے۔ (کس طرح عیدگاہ جائے) تو آپؐ نے فرمایا۔ تلبسها صاحبتها من ثوبها (اس کی سہیلی اپنا کچھ کپڑا اس پر ڈال دے)۔ (ابوداؤد)

آنکھ کی ٹھنڈک

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا (کی چیزوں) میں مجھے عورتیں اور خوشبو پسند ہیں اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ (نسائی)

اس فرمان مبارک کو سامنے رکھ کر اپنے طرزِ عمل پر غور کریں تو تعجب ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اس وقت اس آنکھ کی ٹھنڈک کو حاصل کرنے کی خواہشمند نہیں ہے۔ حالانکہ جن مصائب، الجھنوں اور بے چینیوں میں وہ گھرے ہوئے ہیں، اُن کا قدرتی تقاضا یہی ہے کہ انسان ہر اس عمل کا متلاشی ہو جو اس کے بے قرار دل کو قرار پہنچائے اور بے سکون زندگی میں سکون پیدا کرے۔

نماز کا نظام صرف آخرت ہی کی فضیلت عطا نہیں کرتا بلکہ خود اس دنیوی زندگی میں بھی انسان کو بے پناہ سکونِ قلب عطا کرتا اور طاقت و قوت بہم پہنچاتا ہے۔ یہ نظام انسان کو موقع دیتا ہے کہ وہ دن میں پانچ مرتبہ اُس مختارِ کل کے حضور میں حاضری دے جو اس پوری کائنات کا واحد مالک ہے۔ وہ رؤوف اور وکیل (کارساز) ہے۔ لہٰذا جو دکھ ہماری جانوں کا خون چوس رہے ہیں، وہ چاہے تو ایک پل میں انہیں سکھ اور آرام سے بدل دے۔ وہ مسبب الاسباب ہے، لہٰذا جو مہیں ہمیں ناقابلِ تسخیر

معلوم ہوتی ہیں، وہ چاہے تو ایسے اسباب پیدا کر دے کہ وہ خود بخود ہی آسان ہو جائیں۔

وہ عزیز ہے، قادر ہے مُقتدر ہے۔ لہٰذا جن زبردست، طاقتور، شریر افراد اور اقوام کی چالوں اور ریشہ دوانیوں سے ہم لرزہ براندام ہیں، وہ چاہے تو اُن کی چالوں کو انہیں کی طرف الٹ دے اور ہمیں وہ سچا ایمان اور پاکیزہ اخلاق عطا فرما دے جو طاقت اور قوت کا منبع ہے۔

وہ مالک الملک ہے لہٰذا ہمارے اس اضطراب کو کہ کہیں ہماری سیاسی آزادی پر کوئی آنچ نہ آجائے، سکونِ قلب اور احساسِ حفاظت سے بدل دینا اُسی کے بس میں ہے۔ وہ چاہے تو ہمیں اتنا مضبوط اور مستحکم کر دے کہ دشمن ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت بھی نہ کر سکیں۔

وہ رزاق ہے، شافی ہے، ہادی ہے لہٰذا ہماری مفلسی، ہماری بیماریاں اور ہمارا یہ خوف کہ کہیں ہماری اولادیں گمراہ نہ ہو جائیں سب کے علاج اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔

آخر یہی تو زندگی کے وہ بڑے بڑے دُکھ ہیں جو ہمیں غم والم اور خدشات میں مبتلا رکھتے ہیں جس کے ہاتھوں میں ان زخموں کا مرہم ہے وہ ہمیں اصرار سے بار بار بلاتا ہے کہ آؤ تمہیں آرام پہنچاؤں مگر ہم ہیں کہ جان چھپا کر کونوں میں چھپتے پھرتے ہیں — اُس نادان کی نادانی کا کیا ٹھکانہ جو درد کی شدّت کے باعث روتا تڑپتا رہے مگر درد کی دوا کھانے کو تیار نہ ہو۔

نماز کی یہ پابندی کہ اُسے صبح وشام کے دوران پانچ مرتبہ ادا کرنا ضروری ہے، ایک ایسی شے ہے جس نے نماز کی برکات کو بے پناہ طور پر بڑھا

دیا ہے۔ زندگی کے جان لیوا دُکھوں اور جلتے مسائل میں سے بار بار نکل کر چند گھڑیاں اس ہستی کی پناہ میں گزارنی جو رؤف ہے، رحیم ہے اور ودود ہے۔ پریشانیوں سے تنے ہوئے اعصاب کو بے پناہ سکون دیتا ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں :

"نماز مومن کے لیے اس محبت کرنے والی ماں سے بھی زیادہ پناہ لینے، سر چھپانے اور آرام پانے کی جگہ اور اُس کی گود سے بھی زیادہ راحت رساں اور جنت بداماں ہے جو ایک یتیم، ضعیف و عاجز، بے سہارا اور لاڈلے بچے کے لیے ہر وقت کھُلی رہتی ہے اور جب بھی بچے کو کسی قسم کے گزند اور نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، کوئی اُس کو چھیڑتا اور پریشان کرتا ہے یا اُس کو بھوک اور پیاس ستاتی ہے یا وہ کسی چیز سے سہم جاتا ہے تو فوراً ماں سے چمٹ جاتا ہے اور اس کی گود میں بیٹھ کر سمجھ لیتا ہے کہ وہ سب سے محفوظ ہو گیا۔ اسی طرح نماز بھی مومن کی سب سے بڑی پناہ گاہ اور جائے قرار ہے۔ یہ وہ مضبوط رسّی ہے جو اُس کے اور اُس کے رب کے درمیان پھیلی ہوئی ہے، وہ جب چاہے اس رسّی کو مضبوطی سے تھام کر اپنی حفاظت کی ضمانت حاصل کر سکتا ہے۔ یہ اُس کی روح کی غذا، درد کا درماں، زخم کا مرہم، بیماری سے شفا اور اُس کا سب سے بڑا ہتھیار اور سہارا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ (اے ایمان والو، صبر اور نماز سے مدد چاہو بیشک

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی خاص مسئلے کا سامنا ہوتا تھا تو آپؐ فوراً نماز کی طرف توجہ فرماتے تھے۔ حضرت حُذَیفہ رضؓ سے روایت ہے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشانی درپیش ہوتی تو فوراً نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔"

حقیقت یہ ہے کہ نماز بیجا نہ قوت کا خزانہ ہے۔ ایک سچے مسلمان کی زندگی ایک مسلسل جدوجہد ہے۔ اس کے پاس زندگی گزارنے کا ایک دستور ہے اور اس کا فرض ہے اور اپنی زندگی کو بھی اس دستور کے مطابق گزارے اور خدا کی مخلوق کو بھی آمادہ کرے کہ وہ اس قانون کو اپنائیں۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کی راہ میں بے پناہ مشکلات ہیں اور یہ مشکلات اس برتر ہستی کی رحمت اور امداد کے بغیر دُور نہیں ہو سکتیں جس نے انسان کو اس مشکل راہ پر چلنے کا حکم دیا ہے۔ نماز اس کی رحمت اور امداد کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اس نکتے کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نماز کو اپنا مونس و دمساز اور معین و مددگار سمجھے اور جب بھی اس کو کوئی مشکل پیش آئے، کوئی فکر و پریشانی لاحق ہو یا کسی مصیبت اور آزمائش کا مقابلہ کرنا پڑے تو فوراً اس کریم کا دروازہ کھٹکھٹائے اور جب تک اس کی مراد پوری نہ ہو اس کے در پر پڑا رہے۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا معاملہ نماز کے ساتھ یہی تھا۔ ان کو

نماز پر اس سے زیادہ ناز اور اعتماد تھا، جتنا سپاہی کو اپنی شمشیر پر، مالدار کو اپنی دولت پر اور بچے کو اپنی فریاد اور آہ و بکا پر ہوتا ہے اور وہ بڑی آسانی سے ماں کی شفقت کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ یہ اُن کا مزاج اور طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، جس کے لیے اُن کو کسی تکلف، تصنع اور آورد کی ضرورت نہ تھی۔ جب بھی اُن کو کسی قسم کا اضطراب یا خوف لاحق ہوتا یا معاملہ اُلجھتا نظر آتا، دشمن کی فوجیں ہر طرف سے اُن پر یلغار کرتیں یا فتح و نصرت میں تاخیر ہونے لگتی، تو وہ فوراً نماز کی طرف دوڑ پڑتے اور اُس کی پناہ میں آ جاتے۔ درحقیقت ائمہ اسلام، اولیاء امت اور مصلحین ملت کا ہر زمانے میں یہی حال رہا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے متعلق آتا ہے کہ جب کوئی بات اُن کی سمجھ میں نہ آتی یا کوئی عقدہ حل نہ ہوتا تو وہ کسی ویران اور دُور اُفتادہ مسجد میں چلے جاتے، نماز پڑھتے اور اپنی پیشانی خاک پر رکھتے اور دیر تک سجدے میں پڑے رہتے اور کہتے "یَا مُعَلِّمَ اِبْرَاهِیْمَ عَلِّمْنِیْ" (یا ابراہیمؑ کو سکھانے والے، مجھے بھی یہ سکھا دے) بڑے درد و سوز سے دعا کرتے اور خدا کے حضور سر نیاز جھکا کر اور گڑگڑا کر سوال کرتے اور اس پر خوش ہوتے کہ وہ اس در کے فقیر اور بھکاری ہیں اور پشت در پشت سے اُن کا یہی پیشہ ہے جو باپ دادا سے اُن کو ورثے میں ملا ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنی دعا و مناجات میں یہ شعر پڑھتے تھے:

اَنَا الْمُکَدِّیْ اَنَا الْمُکَدِّیْ	وَهٰکَذَا کَانَ اَبِیْ وَجَدِّیْ
میں بھکاری ہوں میں بھکاری ہوں	اور اسی طرح میرے باپ اور دادا بھی بھکاری تھے

نماز کی تاکید، فضیلت اور برکات کے پیشِ نظر یہ امر تعجب انگیز ہے کہ مسلمان اب اس سے اس درجے غافل ہو گئے ہیں۔ اس غفلت کی اصل وجہ دین کے احکام سے ناواقفیت ہے۔ نماز کی تاکید، فضیلت اور برکات کا پتہ تو اسی کو چلے گا جو ان باتوں کو پڑھے گا، سُنے گا یا اپنے ماحول میں لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر اس کی برکات کا مشاہدہ کرے گا۔ اب جس شخص کی زندگی میں نہ کبھی ایسی تحریریں آئی ہوں جو نماز کی اہمیت کو واضح کریں، نہ اُسے کبھی کسی نے مؤثر انداز میں سمجھایا ہو اور نہ اُس نے اپنے اردگرد اس کی پابندی دیکھی ہو، اُسے کیا معلوم کہ نماز کتنی ضروری ہے اور اس کے اخروی اور دنیوی فوائد کیا ہیں۔ اس لیے اس خرابی کا اصل تدارک یہی ہے کہ دین کی تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس کے علاوہ بچّے کو بچپن ہی سے نماز کا عادی بنانے کی کوشش ہونی چاہیے۔ نماز درحقیقت کوئی آسان کام نہیں ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ کام چھوڑنا اور وضو کر کے خاص خاص پابندیوں کے ساتھ خدا کے حضور میں حاضر ہونا ایک ایسا کام ہے جو سُست مزاج اور کاہل انسانوں کو بہت گراں گزرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۙ (البقرہ: ۴۵)

"صبر اور نماز سے مدد لو، بیشک نماز ایک سخت مشکل کام ہے مگر اُن کے لیے (مشکل) نہیں جو خشوع کرنے والے ہیں۔"

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ بچپن ہی سے بچّے کو اس کا عادی بنانے کی کوشش کی جائے۔ یہ عادت انشاء اللہ اس کی طبع کی سُستی کو زیر کر کے اُس سے نماز پڑھوائے

گی۔

پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور اسے پڑھنا ضروری بھی سمجھتے ہیں، اُن میں بھی بعض ایسے ہیں جو خاص خاص حالات میں سستی برت جاتے ہیں۔ مثلاً سفر میں، بیماری کے دوران، خاص خاص تقریبات مثلاً خوشی غمی کی مجالس میں شرکت کے وقت اُن اوقات میں جب وہ کہیں مہمان گئے ہوں یا ان لمحات میں جب اُن کے ہاں کوئی مہمان آیا ہوا ہو، حالانکہ جب تک انسان کے حواس قائم ہیں اور اس میں ہلنے جلنے کی سکت موجود ہے، نماز معاف نہیں ہوتی۔ جو فریضہ میدانِ جنگ میں بھی ادا کیا جاتا ہو وہ حالتِ امن کی کسی مصروفیت میں کیسے معاف ہو سکتا ہے!

نماز کے پابند رہنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جہاں مسافرت اور بیماری وغیرہ کے سلسلے میں نماز کے جو احکام فقہ اسلامی میں بیان ہوئے ہیں ان کا علم حاصل کر لیا جائے تاکہ مسائل نہ جاننے کے باعث نمازیں ضائع نہ ہوں۔

جہاں تک اُن نمازوں کا تعلق ہے جو لوگ تقریبات میں شرکت کے دوران میں یا مہمانوں کی مہمانداری کرتے ہوئے کھو بیٹھتے ہیں، تو اُن کے بارے میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کے ہاں ہم مہمان جاتے ہیں یا جو ہمارے ہاں مہمان آتے ہیں اُن میں اکثریت تو مسلمانوں ہی کی ہوتی ہے اور چاہے وہ دین سے کتنے ہی لاپروا کیوں نہ ہوں، آخر وہ اتنا تو جانتے ہی ہیں کہ نماز ایک ایسا فرض ہے جسے چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ انسان میزبان سے جائے نماز مانگنے یا قبلہ کا رُخ معلوم کرنے میں جھجک محسوس کرے یا مہمان کے بارے میں اس احساس کو جگہ دے کہ اگر ہم اسے چھوڑ کر اُٹھ کر نماز پڑھنے میں لگ گئے تو کہیں یہ ناراض نہ ہو جائے کہ مجھے نظر انداز کیا گیا ہے۔ کیا عجب کہ آپ کا وہ مہمان

بھی کوئی ایسا شخص ہی ہو جو عام حالات میں نماز پڑھتا ہو مگر دوسرے کے گھر میں جاکر لاپروائی کر لیتا ہو اور آپ کو پڑھتے دیکھ کر وہ بھی اپنا فرض ادا کرنے کی طرف مائل ہو جائے۔

گھر سے باہر جانے سے پہلے اپنی نماز کی فکر کر لینی چاہیے۔ اس طرح کہ ایک تو وضو کر لیا جائے تاکہ جہاں نماز کا وقت آئے وہاں پانی حاصل کرنے کا تردد نہ کرنا پڑے اور دوسرے لباس وہ پہنا جائے جو پاک ہو اور جس میں نماز پڑھی جا سکے۔ خواتین کے لیے تو یہ بہت مفید ہے کہ اپنے برقعے یا چادر کو پاک رکھا کریں تاکہ جہاں کہیں نماز کا وقت آ جائے اُسے بچھا کر نماز پڑھ لی جائے اور کسی سے جائے نماز مانگنے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔ یہ احتیاطیں بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں مگر درحقیقت نماز کی حفاظت کے سلسلے میں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات لوگ صرف اس خیال سے کہ اب میزبانوں کو کیا تکلیف دیں کہ پانی ہم پہنچاؤ اور جائے نماز دو، نماز گول کر جاتے ہیں۔ اوّل تو اتنا حساس بننے کی ضرورت نہیں اور اگر کوئی ایسا ہی حساس ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ خود ہی اپنی نماز کا بندوبست کر کے گھر سے نکلے۔

غرضکہ زندگی میں جو صورتِ حالات بھی ہو ایک مومن کے لیے ضروری ہے کہ خدا کے احکام کو ہمیشہ اوّلیت دے اور جو اللہ تعالیٰ ہی کے احکام کو اوّلیت دے گا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی راہ کی دقتوں کو خود ہی دُور فرماتا جائے گا۔

جن دانشمندوں نے نماز کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھا تھا اُن کے لیے نماز بوجھ بننے کے بجائے سب سے بڑی راحت بن جاتی تھی۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوعِ فجر کی دو رکعتوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ مجھے ساری دنیا سے زیادہ پیاری ہیں۔

(مسلم)

مولانا عبدالسلام ندوی حضرت عمر بن عبدالعزیز کی نماز کے بارے میں فرماتے ہیں:

"نماز پنجگانہ نہایت مستعدی کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ گھر میں مغرب کی طرف ایک جھروکہ بنا رکھا تھا، اگر مؤذن اذان دینے میں دیر کرتا تھا تو آدمی بھیج کر کہلوا دیتے کہ وقت آگیا۔ مؤذن اذان دیتا تو کوشش کرتے کہ اذان کی آواز کے ساتھ ہی مسجد میں داخل ہو جائیں۔ اس غرض سے تیرہ مؤذن ملازم رکھے تھے کہ گھر سے نکلنے تک اذانوں کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے، مگر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تمام مؤذنوں کو اذان کہنے کی ضرورت واقع ہوئی ہو۔ اکثر پہلی ہی اذان میں گھر سے برآمد ہو جاتے، ورنہ دوسری یا تیسری اذان میں تو ضرور ہی داخل مسجد ہو جاتے۔ اذان دینے کے بعد مؤذن آتا اور کہتا کہ: السلام علیک امیرالمومنین ورحمۃ اللہ۔ مؤذن یہ فقرے ادا بھی نہ کر چکتا تھا کہ وہ نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔"

حضرت ثابت بن اسلم بنانی تابعیؒ کی زندگی کا سب سے زیادہ محبوب مشغلہ عبادت تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ کسی شخص میں خواہ ساری دنیا کی بھلائیاں کیوں نہ ہوں، جب تک وہ روزے نماز کا پابند نہیں ہے اُس وقت تک وہ عابد نہیں ہو سکتا۔ آپ جس مسجد کی طرف سے گزرتے تھے، اس میں نماز ضرور پڑھتے تھے۔

حضرت سمعونؒ کے بارے میں روایت کی جاتی ہے کہ روزانہ پانچ سو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ بغداد میں ایک دولت مند آدمی نے چالیس ہزار درہم غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کیے۔ حضرت سمعونؒ نے جب یہ بات سُنی تو فرمایا کہ

درہم تو ہمارے پاس ہیں نہیں۔ ہم یہی کریں کہ ہر درہم کے بدلے ایک رکعت نماز ہی پڑھ ڈالیں۔ یہ کہہ کر وہ شہر مدائن تشریف لے گئے اور وہاں جا کر چالیس ہزار رکعت نماز پڑھی۔

نماز کے بارے میں جو کچھ گذشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے، اس پر غور کیا جائے تو خود بخود ہی سمجھ میں آ جائے گا کہ اس عبادت کا اس اصلی عبادت سے کیا تعلق ہے جس کے لیے اس خالق اکبر نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا تھا۔ جو شخص نماز کی ان تمام شرائط کو پورا کرتے ہوئے جو خدا اور خدا کے رسولؐ نے بیان فرمائی ہیں، پورے خشوع و خضوع کے ساتھ روزانہ پانچ مرتبہ اللہ رب العلمین کے حضور میں حاضری دے گا، اس کے لیے یہ قدرتی امر ہے کہ وہ غیر اللہ سے کٹتا اور اللہ کی طرف یکسو ہوتا چلا جائے اور زندگی کے ہر معاملے میں اس بات کا دھیان رکھے کہ وہ عمل خدا کی خوشنودی حاصل کرانے والا ہو۔ جس شخص کی زندگی کا مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول بن جائے، اس کے لیے خدا کافی ہو جاتا ہے اور اس دنیوی زندگی میں بھی اُسے اس امر کی کوئی ضرورت نہیں رہتی کہ وہ جگہ جگہ سر جھکاتا پھرے۔ حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ کہنہ ہے آدم جوان ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ جو ہے اس قدر گراں تجھ پر
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات
یہ ایک سجدہ ہزار سجدوں سے کس طرح نجات دلاتا ہے؟

اس طرح کہ اس کائنات کا پورا نظام ہے تو خالقِ کائنات ہی کے ہاتھ میں مگر اس نے اپنی برتر مصلحتوں کے باعث اسے عالمِ اسباب بنا دیا ہے۔ اس عالمِ اسباب میں رہتے ہوئے انسان کو ہزارہا ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں۔ ان ضروریات کو صرف اللہ تعالیٰ کی پاک

ذات ہی پورا کر سکتی ہے مگر اس کی خوشی اسی میں ہے کہ وہ انسان کی ہر ضرورت کو کسی نہ کسی سبب کے پردے ہی میں پورا کرے۔ انسان کو روزی وہی عطا کرتا ہے مگر اس بخشش کے لیے وہ کبھی مزدوری، کبھی ملازمت، کبھی عقل معاش، کبھی ورثے کبھی تحفے وغیرہ کو اسباب بنا دیتا ہے۔ بیماریوں سے شفایاب کرنا صرف اسی کے بس میں ہے مگر وہ معالجوں، دواؤں، پرہیز کو اسباب بنا کر ان کے ذریعے شفا عطا کرتا ہے۔ بگڑے کام وہی بناتا ہے اور مشکلات کو وہی دور کر سکتا ہے مگر یہ کام وہ کرتا ہے انسانوں کے ذریعے ہے اور ظاہر طور پر ہمیں یہی نظر آتا ہے فلاں "صاحبِ اختیار" نے ہماری مشکلات کو دور کر دیا اور فلاں "صاحبِ اقتدار" نے ہمارے بگڑے کام بنا دیے۔

اب چونکہ انسان کو زندگی گزارتے ہوئے بے شمار ضرورتیں پیش آتی ہیں اس لیے ضروری ہے کہ اس کا تعلق بے شمار اسباب سے قائم ہوتا ہے۔ اب جو شخص خدا سے غافل ہوگا وہ اتنا کوتاہ بین ہوگا کہ اسباب ہی میں الجھ کر رہ جائے گا اور اس کی نگاہ مسبب الاسباب تک نہیں پہنچ پائے گی۔ لہٰذا وہ انسانوں ہی کو مشکل کشا سمجھ کر کبھی ایک کے پیچھے دوڑے گا، کبھی دوسرے کے در پہ حاضری دے گا، کبھی تیسرے کی خوشامد کرے گا یعنی ہزاروں کے آگے سجدے کرتا پھرے گا مگر جو انسان اپنی زندگی میں نماز کے نظام کو اس طرح قائم کرے گا جس طرح قائم کرنے کا خدا اور خدا کے رسولؐ نے حکم دیا ہے، اُسے خدا وہ دور بین عطا فرما دے گا کہ وہ اسباب کے پیچھے مسبب الاسباب کو بھی دیکھ لے گا اور اس مسبب الاسباب سے براہ راست تعلق قائم کرے گا۔ اگرچہ عالم اسباب میں رہنے کے باعث اس دور بین شخص کو بھی جو کچھ ملے گا وہ اسباب ہی کے ذریعے ملے گا مگر وہ دانا اسباب کو ان کی اصل حیثیت سے زیادہ وقعت نہیں دے گا اور مسبب الاسباب ہی کے در پہ جھکا رہے گا جو اسے باقی سب دروں سے بے نیاز کر دے گا۔

زكوة

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّھَبَ وَالۡفِضَّۃَ
وَلَا یُنۡفِقُوۡنَھَا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۙ فَبَشِّرۡھُمۡ
بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۙ

(اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے
ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں
دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو)

(التوبۃ : ۳۴)

انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید اور فضیلت

اللہ تعالیٰ نے اپنی برتر مصلحتوں کی بناء پر انسانوں کو مالی لحاظ سے ایک درجے پر نہیں رکھا۔ کوئی امیر ہے، کوئی متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہے اور کوئی غریب ہے۔ پھر ان تینوں طبقات کے اندر بھی کئی درجے ہیں۔ امراء میں بعض درمیانے درجے کے امیر ہوتے ہیں اور بعض بہت زیادہ دولت و ثروت کے مالک ہیں۔ ایسے ہی وہ طبقہ جسے ہم متوسط طبقہ کہتے ہیں اُن میں بھی بعض ایسے ہیں جو صرف اس صورت میں ضروریات پوری کر سکتے ہیں کہ بہت کفایت شعاری سے کام لیں اور بعض متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہوئے بھی خاصے خوشحال ہوتے ہیں۔ یہی حال غریب طبقے کا ہے۔ وہ غریب بھی ہیں جن کے پاس کچھ ہوتا ہے مگر ضروریات کے مطابق نہیں ہوتا اور وہ غریب بھی جو بالکل مفلس و قلاش ہیں۔

اب اللہ رب العٰلمین تو سبھی کا رب ہے۔ امیر کا بھی، متوسط درجے والے کا بھی اور غریب کا بھی۔ اس کی رحمت سب کے لیے یکساں ہے۔ لہٰذا اس نے سبھی کو رزق پہنچانے کا ذمہ لیا ہوا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ... (ھُود: ۶)

"زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔"

اور ہمارا ایمان ہے کہ وہ سب کو رزق پہنچاتا ہے لیکن یہ وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو رزق پہنچانے کی یہ صورت اختیار نہیں کی کہ وہ سب کو براہ راست اور یکساں طور پر رزق بہم پہنچائے بلکہ اس نے کسی کو ضروریات سے کم دیا ہے کسی کو ضروریات کے مطابق دیا ہے اور کسی کو ضروریات سے بہت زیادہ دے دیا ہے اور ساتھ ہی اس بات کو لازم کر دیا ہے کہ جن کے پاس ضروریات سے زیادہ ہے وہ اپنے مال کا ایک حصّہ اُن بہن بھائیوں پر صرف کرتے رہیں جن کے پاس ضروریات سے کم ہے۔

یہ جو خوشحال لوگ اپنا مال ضرورت مندوں کو دیتے ہیں، اسی کا نام انفاق فی سبیل اللہ ہے یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ غور کریں تو انسان تو اپنے انسانی بھائیوں ہی پر خرچ کرتا ہے نہ کہ کسی اور پر، مگر اللہ تعالیٰ نے اس خرچ کرنے کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا نام دیا ہے کیونکہ اس خرچ کرنے سے اصل مقصد خدا کو خوش کرنا ہوتا ہے۔

نماز کے علاوہ جن چیزوں پر اللہ تعالیٰ نے بہت زور دیا ہے، اُن میں ایک یہ انفاق فی سبیل اللہ بھی ہے۔ انسان کی طبعی خواہش تو یہی ہوتی ہے کہ جو مال اس کے پاس ہے اُسے وہ اپنے آرام و راحت اور اپنے متعلقین کے آرام و راحت پر صرف کرے۔ پھر جب وہ اس طبعی خواہش کو دبا کر اپنے مال کو ضرورتمند بندگانِ خدا کے آرام و راحت پر صرف کرتا ہے تو اللہ رب العلمین اس کے اس فعل کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسے دنیا اور آخرت دونوں جگہ اس کا بہت اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے۔ خدا کے دیے ہوئے مال کو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خدا کے ضرورت مند بندوں پر صرف کرنا بہت بڑی عبادت ہے، اور شیطان جس کا کام یہی ہے کہ انسان کو عبادت کرنے سے روکے،

اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا کرتا رہتا ہے۔ کبھی وہ اُسے راحت اور لذت کے اُن سامانوں کا شوق دلاتا ہے جو وہ مال کو اپنے اوپر خرچ کر کے حاصل کر سکتا ہے اور کبھی اس کے دل میں غریب ہو جانے کا خوف پیدا کرتا ہے تاکہ وہ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رُکا رہے۔ اب جس شخص نے شیطان کے ان وسوسوں پر قابو پا لیا اور عیش پرستی کے شوق اور غریب ہو جانے کے خوف، دونوں سے بے نیاز ہو کر اپنے مال کو اللہ کی راہ میں صرف کرتا رہا۔ اُس نے "خدا کا بندہ" ہونے کا ایک حق ادا کر دیا۔ اور جس کے بندہ ہونے کا حق اس نے ادا کیا ہے وہ اسے تنہا نہیں چھوڑے گا۔ مال کو خدا کی راہ میں صرف کر کے جو روحانی سکون اور خوشی اُسے حاصل ہو گی، وہ ان لوگوں کو کبھی حاصل نہیں ہو گی، جو اپنے مال کو صرف اپنی عیش و عشرت ہی پر صرف کرتے رہتے ہیں اور ایسے ہی جو برکت اس کے مال میں ہو گی وہ ان لوگوں کے مال میں کبھی نہیں ہو گی جو اسے سینت سینت کر رکھتے ہیں۔

یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ دینِ اسلام میں "نیکی" کہا ہی ہر اُس عمل کو گیا ہے، جو درحقیقت انسان کے لیے مفید تھا اور "گناہ" نام ہی ہر اس فعل کا ہے جو درحقیقت انسان کو نقصان پہنچانے والا ہے۔ اپنی دولت کو اللہ کی راہ میں بندگانِ خدا پر صرف کرنا چونکہ انسانی معاشرے کے لیے ایک انتہائی مفید عمل ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے، پھر انسان کو تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے کہ وہ یہ نیکی کرتا رہے اور اس کے دل میں اس کا ذوق و شوق بڑھانے کے لیے اس کے ساتھ بڑے اچھے اجر کے وعدے فرمائے ہیں۔

تاکید | قرآن پاک اور احادیث نبویہؐ دونوں میں راہِ خدا میں خرچ کرنے

کی بہت تاکید آئی ہے۔ سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۴ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی اور ظالم اصل میں وہی ہیں جو کفر کی روش اختیار کرتے ہیں۔"

ایسے ہی سورۃ الحدید آیت ۷ میں مسلمانوں کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

"اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس (اللہ) نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور مال خرچ کریں گے ان کے لیے بڑا اجر ہے۔"

تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ ۳۰۶ پر اس کی تشریح یوں بیان کی گئی ہے:

"اس کے دو مطلب ہیں اور دونوں ہی یہاں مراد بھی ہیں۔ ایک مطلب یہ ہے کہ جو مال تمہارے پاس ہے یہ دراصل تمہارا ذاتی مال نہیں بلکہ اللہ کا بخشا ہوا مال ہے۔ تم بذاتِ خود اس کے مالک نہیں ہو بلکہ اللہ نے اپنے خلیفہ (یعنی نائب) کی حیثیت

سے یہ تمہارے تصرّف میں دیا ہے۔ لہٰذا مال کے اصل مالک کی خدمت میں اسے صرف کرنے سے دریغ نہ کرو۔ نائب کا یہ کام نہیں ہے کہ مالک کے مال کو مالک ہی کے کام میں صرف کرنے سے جی چرائے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ مال نہ ہمیشہ سے تمہارے پاس تھا نہ ہمیشہ تمہارے پاس رہنے والا ہے۔ کل یہ کچھ دوسرے لوگوں کے پاس تھا۔ پھر اللہ نے تم کو اُن کا جانشین بنا کر اُسے تمہارے حوالے کیا۔ پھر ایک وقت ایسا آئے گا جب یہ تمہارے پاس نہ رہے گا اور کچھ دوسرے لوگ اس پر تمہارے جانشین بن جائیں گے۔ اس عارضی جانشینی کی تھوڑی سی مدّت میں جبکہ یہ تمہارے قبضہ و تصرّف میں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو تاکہ آخرت میں اس کا مستقل اور دائمی اجر تمہیں حاصل ہو"۔

ایسے ہی سورۃ الحدید، آیت ۱۰ میں فرمایا گیا ہے:

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

"آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے"

"اس کے (بھی) دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مال تمہارے پاس ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے۔ ایک دن تمہیں لازماً اسے چھوڑ کر ہی جانا ہے اور اللہ ہی اس کا وارث ہونے والا ہے۔ پھر کیوں نہ اپنی زندگی میں اسے اپنے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو،

تاکہ اللہ کے ہاں اس کا اجر تمہارے لیے ثابت ہو جائے۔ (اگر تم اسے راہِ خدا میں نہ خرچ کرو گے تب بھی یہ اللہ ہی کے پاس واپس جا کر رہے گا۔ البتہ فرق یہ ہوگا کہ (اُس صورت میں) اس پر تم کسی اجر کے مستحق نہ ہو گے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے تم کو کسی فقر اور تنگدستی کا اندیشہ نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ جس خدا کی خاطر تم اسے خرچ کرو گے، وہ زمین و آسمان کے سارے خزانوں کا مالک ہے۔ اس کے پاس تمہیں دینے کو بس اتنا ہی کچھ نہ تھا جو آج اُس نے تمہیں دے رکھا ہے بلکہ کل وہ تمہیں اس سے بہت زیادہ دے سکتا ہے (لہٰذا کھلے دل سے اس کی راہ میں خرچ کرو)"

(تفہیم القرآن، جلد پنجم، صفحہ ۳۰۸)

یہ تو تھے کلام اللہ کے احکام، اب حضورؐ کے فرامین کو ملاحظہ کریں تو وہاں بھی یہی تاکید ملتی ہے کہ اللہ کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کیا جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدمؑ کے بیٹے، تو (میری راہ میں) خرچ کر، میں تیری ذات پر خرچ کروں گا۔ (بخاری)

حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (اُن سے) فرمایا کہ تو (اللہ کی راہ میں) خرچ کر اور گن گن کر نہ رکھ، ورنہ اللہ بھی تجھے گن گن کر دے گا (بے حساب نہیں دے گا) اور تو (دولت کو) بند کر کے مت رکھ ورنہ اللہ بھی تجھ سے (اسے) روک لے گا۔ (بخاری)

باوجود اس حقیقت کے کہ انسان کے پاس جو مال ہوتا ہے وہ اللہ ہی کا عطا کردہ ہوتا ہے۔ اگر انسان اس مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے ذمّے قرض قرار دیتا ہے جس کو کئی گنا بڑھا کر واپس کرنا اُس نے خود ہی اپنے آپ پر لازم فرما لیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ آدھی رات کو یا رات کی آخری تہائی میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا میں نازل ہوتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں یا مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں۔ پھر فرماتا ہے کہ کون ہے جو اس ذات کو قرض دے جو نہ مفلس ہے نہ ظالم۔ (مسلم)

قرض دینے سے یہاں مراد وہی خدا کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں عشاء کے وقت رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ مدینہ کی زمین حرّہ میں پیدل چل رہا تھا اور ہم اُحد (پہاڑ) کی طرف دیکھ رہے تھے کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابوذرؓ! میں نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں یا رسول اللہؐ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ اُحد میرے لیے سونے کا بن جائے تو میں پسند نہیں کرتا کہ تیسری رات آنے تک اُس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے سوائے اس دینار کے جسے میں قرض ادا کرنے کے لیے رکھ چھوڑوں بلکہ میں تو اس (مال) کو خدا کے بندوں میں اس طرح اور اس طرح بانٹ دوں۔ اور آپؐ نے اپنے سامنے اور اپنی دائیں طرف اور اپنی بائیں طرف ہاتھ مارا (کہ اس طرح ہر طرف تقسیم کر دوں) پھر ہم چل پڑے تو آپؐ

نے فرمایا کہ اے ابوذرؓ میں نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ جن کے پاس زیادہ مال ہے وہی قیامت کے دن کم مال والے ہوں گے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس طرح اور اس طرح اور اس طرح (راہِ خدا میں) خرچ کیا۔ اور آپؐ نے اسی طرح اشارہ کیا جس طرح پہلی بار کیا تھا۔۔۔۔۔۔۔ (مسلم)

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے آدمؑ کے بیٹے، تیرے لیے یہ بہتر ہے کہ تو ضرورت سے زائد مال کو (خدا کی راہ میں) خرچ کر دے اور اگر تو اسے روکے رکھے گا تو یہ تیرے لیے بُرا ہے اور ضرورت کے مطابق رکھنے میں تجھ پر کوئی ملامت نہیں، اور پہلے اُن پر خرچ کر جو تیری پرورش میں ہیں، اور (یاد رکھ کہ) اُوپر والا ہاتھ (یعنی دینے والے کا ہاتھ) نیچے والے ہاتھ (یعنی لینے والے کے ہاتھ) سے بہتر ہے۔ (مسلم)

حضرت عدیؓ بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کا ذکر کیا اور اس سے (خدا کی) پناہ مانگی اور اپنا منہ پھیر لیا۔ پھر آپؐ نے دوزخ کا ذکر کیا اور اس سے (خدا کی) پناہ مانگی اور اپنا منہ پھیر لیا۔ (اس حدیث کے ایک راوی) شعبہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ کے دو دفعہ اس طرح کرنے میں تو مجھے کوئی شک نہیں۔ پھر آپؐ نے (حاضرین کو مخاطب کرکے) فرمایا کہ دوزخ سے بچو چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی کیوں نہ ہو اور اگر یہ بھی موجود نہ ہو تو اچھی بات کہہ کر ہی (دوزخ سے بچنے کا بندوبست کرو کیونکہ اچھی بات کرنا بھی خیرات کرنے میں داخل ہے) (بخاری)

حضرت عدیؓ بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ تم میں ہر ایک کے ساتھ اُس کا رب اس طرح کلام فرمائے گا کہ اُس کے اور اُس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا۔ پھر وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو اُسے صرف اپنے وہ اعمال ہی نظر آئیں گے جو اس نے پہلے سے آگے بھیجے ہوئے ہوں گے اور وہ اپنی بائیں طرف دیکھے گا تو (اُس طرف بھی) اُسے صرف اپنے وہ اعمال ہی نظر آئیں گے جو اُس نے پہلے سے آگے بھیجے ہوئے ہوں گے اور وہ اپنے آگے دیکھے گا تو اُسے اپنے چہرے کے سامنے صرف دوزخ ہی نظر آئے گی۔ پس (اے لوگو) دوزخ سے بچو چاہے ایک کھجور کے ایک ٹکڑے (کو خیرات کرنے) کے عوض ہی کیوں نہ ہو۔

(بخاری)

اللہ کی راہ میں دینے کے سلسلے میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ اگر انسان کے پاس کوئی قیمتی یا زیادہ اچھی چیز دینے کے لیے نہ ہو تو وہ اپنی استطاعت کے مطابق معمولی چیز ہی خیرات کر دے مگر کسی مستحق محتاج کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔

حضرت اُمِّ بُجَید رضؓ ان لوگوں میں سے تھیں جنہوں نے حضورؐ سے بیعت کی تھی۔ اُنہوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اے خدا کے رسولؐ! مسکین میرے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے اور میرے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی جو میں اُسے دوں۔ اس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اگر اُسے دینے کے لیے تو کچھ بھی نہ پائے سوائے ایک جلے ہوئے کھُر کے، تو وہی اس کے ہاتھ پر رکھ دے۔

(ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضؓ نے ایک دلپذیر حدیث بیان کی ہے جس میں حضورؐ نے نہایت حکیمانہ انداز میں بندگانِ خدا کی خدمت کرنے اور راہِ خدا میں

خرچ کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

حضورؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔

"اے آدمؑ کے بیٹے، میں بیمار ہوا تو تُو نے میری عیادت نہ کی"

انسان کہے گا۔ اے میرے رب، میں تیری کس طرح عیادت کرتا جبکہ تو ربّ العلمین ہے"۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا "کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو تُو نے اس کی عیادت نہ کی۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تُو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔ اے آدمؑ کے بیٹے، میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو تُو نے مجھے کھانا نہ دیا"۔

(انسان) کہے گا "اے میرے رب، میں تجھے کیسے کھانا دیتا جبکہ تو ربّ العلمین ہے"۔

خدا فرمائے گا "کیا تجھے علم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تو تُو نے اسے کھانا نہ دیا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تُو اسے کھانا دیتا تو اُسے میرے پاس پاتا — اے آدمؑ کے بیٹے، میں نے تجھ سے پانی مانگا تو تُو نے مجھے پانی نہ پلایا۔"

(انسان) کہے گا "اے میرے رب، میں تجھے کیسے پانی پلاتا جبکہ تو ربّ العلمین ہے"۔

خدا فرمائے گا "میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا مگر تُو نے اُسے پانی نہ پلایا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تُو اسے پانی پلاتا تو اُسے میرے پاس پاتا" (مسلم)

فضیلت انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بار بار یہ بھی یاد دلایا ہے کہ اپنے مال کو راہِ خدا میں خرچ کرنا اُن کے لیے بے پناہ اجر و ثواب اور فضیلت کا باعث بنے گا۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۷۴ میں فرمایا گیا ہے:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّ — "جو لوگ اپنے مال شب و روز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں، اُن

عَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور اُن کے لیے کسی خوف اور رنج کا مقام نہیں۔"

ایسے ہی سورۃ الحدید آیت ۱۸ میں بھی خیرات کرنے والے مردوں اور عورتوں کو عزت والے اجر کی خوشخبری دی گئی ہے۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝

"بے شک وہ مرد اور عورتیں جو (راہ خدا میں) صدقات دینے والے ہیں اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا ہے اُن کو (ان کا خرچ کیا ہوا) کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور اُن کے لیے عزت والا اجر ہے۔"

سورۃ البقرہ آیت ۲۶۱ میں ایک بڑی نفیس مثال دے کر بتایا گیا ہے کہ کس طرح خدا کی راہ میں دیا ہوا مال اجر کے لحاظ سے سات سو گنا ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

"جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا فرماتا ہے بیشک وہ بڑا فراخ دست اور علیم ہے۔"

اسی مضمون سے ملتا جلتا مضمون رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے پاک کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر بھی خیرات کی، اللہ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں قبول فرماتا ہے اور اللہ تو صرف پاک (چیز) ہی قبول کرتا ہے۔ پھر وہ اُس (خیرات) کو خیرات کرنے والے کے لیے پالتا رہتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے بچھیرے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ (خیرات) پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندوں پر جو کوئی صبح بھی آتی ہے اس میں دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے کہ اے خدا، خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عطا کر، اور دوسرا کہتا ہے اے خدا بخیل کو تباہی دے۔ (بخاری)

مُطرّف بن عبداللہ بن شِخّیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور حضورؐ سورۃ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ رہے تھے (پھر) آپؐ نے فرمایا کہ آدمؑ کا بیٹا کہتا ہے کہ میرا مال، میرا مال (اے آدمؑ کے بیٹے) کیا تیرا اُس کے علاوہ بھی کوئی مال ہے جو تو نے خیرات میں خرچ کر دیا یا کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پُرانا کر دیا! (ترمذی)

اس حدیث میں حضورؐ نے واضح فرما دیا ہے کہ انسان کا اپنا مال وہی ہے جو اُس نے خود استعمال کر لیا یا جو خدا کی راہ میں خرچ کر کے اسے اپنی آخرت کے لیے جمع کر لیا۔ باقی مال جو وہ جمع کرتا رہتا ہے اور جسے وہ اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ جاتا ہے وہ درحقیقت اس کا مال ہے ہی نہیں!

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کی راہ میں ایک جوڑا خرچ کیا اُسے جنت کے داروغے پکاریں گے (یعنی) جنت کے ہر دروازے کا داروغہ (پکارے گا) کہ اے فلاں ادھر آ (اور اس دروازے سے جنت میں داخل ہو جا۔ اس پر) حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، وہ تو پھر ایک ایسا شخص ہوگا جس کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔ اس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ تم انہیں لوگوں میں سے ہوگے۔ (بخاری)

اس حدیث میں جو لفظ "جوڑا" استعمال ہوا ہے اس کا مطلب ہے کہ کوئی شے دو کی تعداد میں دی جائے مثلاً دو کپڑے یا دو برتن یا دو گھوڑے یا دو اونٹ یا دو کی تعداد میں کوئی اور شے۔ قرآن اور احادیث کے فرامین کے مطابق جو چیز راہِ خدا خرچ ہو جاتی ہے وہ پکے طور پر اپنی ہو جاتی ہے اور ایک وقت آئے گا کہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر ہمیں واپس لوٹائے گا۔ باقی جو کچھ ہمارے پاس رہتا ہے اس کا کیا پتہ کہ ہمارے کام آئے گا یا نہیں۔ کیا عجب کہ اس نے کبھی بھی ہمارے کام نہ آنا ہو اور ہم بے کار میں اسے سینت سینت کر رکھنے میں اپنی قوت اور وقت دونوں ضائع کر رہے ہیں۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے ایک بکری ذبح کی (اور اس کا گوشت راہِ خدا میں تقسیم کیا) پھر حضورؐ نے پوچھا کہ اس میں سے کیا باقی رہا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ کچھ باقی نہیں رہا سوائے اس کے شانے کے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اس کے شانے کے سوا اور سب کچھ باقی رہا ہے۔ (ترمذی)

حضورؐ کی مراد یہ تھی کہ جو گوشت محتاجوں تک پہنچ گیا وہ درحقیقت بچ گیا

ہے کیونکہ وہ تو پکے طور پہ اپنا ہو گیا ہے اور یہ شانہ جو ابھی محتاجوں کو نہیں دیا گیا، اس کا پتہ نہیں کہ یہ اپنا ہوگا یا نہیں ہوگا۔

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے خدا کے رسولؐ، ہم میں سے تو ہر ایک کو اپنا مال ہی محبوب ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ اُس کا مال تو وہی ہے جو اُس نے آگے بھیج دیا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو وہ پیچھے چھوڑ جائے گا۔ (بخاری)

اس حدیث سے بھی وہی مفہوم نکلتا ہے کہ انسان جو مال راہِ خدا میں خرچ کر دیتا ہے وہ اس کا اپنا ہو جاتا ہے اور جو جمع کرتا رہتا ہے وہ اس کے وارثوں کو پہنچ جاتا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود جب انسان راہِ خدا میں دینے کے بجائے جمع کرنا زیادہ پسند کرتا ہے تو درحقیقت وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارثوں کا مال پیارا ہے۔

سالمؒ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آدمیوں کے سوا اور کسی پر رشک کرنا درست نہیں۔ ایک اُس شخص پر جسے خدا نے قرآن کا علم عطا کیا ہو اور وہ رات کو اور دن کو اُسے پڑھتا ہو، اور دوسرے اس شخص پر جسے خدا نے مال عطا کیا ہو اور وہ رات کو اور دن کو اُسے (راہِ خدا میں) خرچ کرتا ہو۔ (مسلم)

مالک بن نضلہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاتھ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ (ایک) اللہ کا ہاتھ جو سب سے بلند ہے اور (دوسرے) دینے والے کا ہاتھ جو اس کے بعد ہے اور

(تیسرے) مانگنے والے کا ہاتھ جو سب سے نیچے ہے۔ پس جو ضرورت سے زائد ہو اُسے دے دے اور (جب تیرا نفس تجھے راہِ خدا میں خرچ کرنے سے منع کرے تو) اپنے نفس کے مقابلے میں عاجز مت ہو۔ (ابوداؤد)

مراد یہ ہے کہ جب نفسِ امارہ تجھے خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے روکے تو تُو اس کی بات مت مان اور راہِ خدا میں خرچ کرتا رہ۔

مشہور سخی حاتم کے بیٹے حضرت عدیؓ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور صحابی ہونے کے شرف سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے ایک لمبی سی حدیث بیان کی ہوئی ہے جس کے دوران آپ بتاتے ہیں کہ:

..... رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لیے ہوئے اپنے گھر تشریف لائے۔ ایک لڑکی نے آپؐ کے لیے ایک گدّا ڈال دیا اور آپؐ اس پر بیٹھ گئے اور میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر آپؐ نے اللہ کی تعریف کی اور اس کی ثنا فرمائی۔ پھر (مجھ سے) فرمایا کہ تجھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے کون سی شے بھگاتی ہے؟ کیا تو اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی جانتا ہے؟ حضرت عدیؓ بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ جی نہیں۔ پھر آپؐ نے کچھ دیر تک گفتگو کی۔ پھر فرمایا کہ تم اللہ اکبر کہنے سے بھاگتے ہو۔ کیا تم کوئی ایسی شے جانتے ہو جو اللہ سے بڑی ہو؟ حضرت عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ جی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہود پر خدا کا غضب ہے اور عیسائی گمراہ ہیں۔ حضرت عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں تو ہر طرف سے کٹ کر خدا کی طرف یکسو ہو جانے والا مسلم ہوں۔ پھر میں نے دیکھا کہ (میری یہ بات سن کر) حضورؐ کا چہرہ خوشی سے کھل

گیا۔ پھر حضورؐ نے میرے بارے میں حکم دیا، تو مجھے انصار میں سے ایک شخص کے پاس مہمان ٹھہرایا گیا۔ میں نے یہ طریقہ بنا لیا کہ صبح و شام حضورؐ کے پاس حاضر ہوا کرتا تھا۔ اس دوران میں ایک رات میں حضورؐ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضورؐ کے پاس ایک جماعت آئی جو اُون کے دھاریدار کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ پھر حضورؐ نے نماز پڑھی اور کھڑے ہو کر (لوگوں کو) اُبھارا کہ انہیں خیرات دیں۔ پھر فرمایا کہ ایک صاع ہی سہی، یا آدھا صاع ہی سہی یا ایک مٹھی ہی سہی یا ایک مٹھی کا کچھ حصّہ ہی سہی (آپؐ نے فرمایا کہ) تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ دوزخ کی آگ سے بچے چاہے ایک کھجور (راہِ خدا) دے کر ہی سہی یا کھجور کا ایک حصّہ دے کر ہی سہی (پھر فرمایا کہ) تم میں سے ہر ایک اللہ سے ملاقات کرے گا اور وہ اسے وہی کہے گا جو میں تمہیں کہہ رہا ہوں (خدا اُسے کہے گا کہ) کیا میں نے تمہیں کان اور آنکھیں نہیں دی تھیں، تو وُہ کہے گا کیوں نہیں (آپ نے مجھے کان اور آنکھیں دی تھیں) اللہ فرمائے گا کہ کیا میں نے تمہیں مال اور اولاد نہیں دی تھی۔ تو وہ کہے گا کیوں نہیں (آپ نے مجھے مال اور اولاد دی تھی) تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ (پھر) کہاں ہیں وہ (نیک اعمال) جو تُو نے اپنے لیے آگے بھیجے تھے، تو پھر وہ شخص اپنے آگے دیکھے گا اور اپنے پیچھے دیکھے گا اور اپنی دائیں طرف دیکھے گا اور اپنی بائیں طرف دیکھے گا مگر وہ کوئی ایسی چیز نہیں پائے گا جس سے اپنے آپ کو جہنّم کی آگ سے بچا سکے (پس) تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنے آپ کو جہنّم کی آگ سے بچائے چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی سہی اور جو یہ بھی نہ پائے تو پاکیزہ بات کر کے ہی (اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچائے)۔ (ترمذی)

ان احادیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ دوزخ سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ راہِ خدا میں خرچ کیا جائے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیرات کرنا خدا کے غضب کو بجھاتا ہے اور بُری موت کو دُور کرتا ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کوئی دودھ دینے والا جانور (راہِ خدا) میں دیا، اس کے لیے ایک خیرات کا ثواب صبح ہوگا اور ایک خیرات کا ثواب رات کو (صبح کا ثواب) صبح کا دودھ پیے جانے کے وقت اور (شام کا ثواب) شام کا دودھ پیے جانے کے وقت۔ (مسلم)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے (کچھ راہِ خدا) دیتی ہے بشرطیکہ گھر خراب کرنے کا ارادہ نہ رکھتی ہو، تو اُسے اپنے اس دینے کا ثواب ملتا ہے اور شوہر کو بھی ثواب ملتا ہے کیونکہ اس نے کمایا ہوتا ہے اور خزانچی کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے اور ان میں سے کسی کو ثواب ملنے سے کسی دوسرے کے ثواب میں کچھ بھی کمی نہیں ہوتی۔ (بخاری)

حضرت ابی اللحمؓ کے غلام عمیرؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے مالک نے مجھے سکھانے کے لیے گوشت کاٹنے کا حکم دیا۔ میرے پاس ایک مسکین آگیا تو میں نے اُس گوشت میں سے کچھ اُسے کھلا دیا۔ میرے مالک کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے مجھے مارا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کو یہ بات بتائی۔ حضورؐ نے میرے آقا

کو بُلایا اور فرمایا کہ تم نے اسے کیوں مارا۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ میرا کھانا میرے حکم کے بغیر دے دیتا ہے۔ (اس پر) آپؐ نے فرمایا کہ (اس دینے کا) ثواب تم دونوں کو ہوگا۔ (مسلم)

غرضکہ کلام پاک اور احادیثِ نبویہ دونوں نے انسان کو وضاحت سے مطلع فرما دیا ہے کہ ضرورت سے زائد مال کو خدا کی راہ میں خرچ کر دینا سراسر نفع کا سودا ہے۔

نظامِ زکوٰۃ

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت کو جان لینے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ یہ خرچ کرنا دو قسم کا ہوتا ہے، ایک فرض اور دوسرا نفل۔ فرض خرچ کرنا وہ ہے کہ اگر ہم خرچ نہیں کریں گے تو ہمیں بہت زیادہ گناہ ہوگا اور نفل خرچ کرنا وہ ہے کہ اگر ہم خرچ کریں گے تو بہت زیادہ ثواب ہوگا، لیکن اگر نہیں کریں گے تو اس ثواب سے تو محروم ہو جائیں گے تاہم گناہ نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو عبادات فرض کی ہیں اُن میں نماز کے بعد زکوٰۃ کا نام آتا ہے اور زکوٰۃ وہ انفاق فی سبیل اللہ ہے جو فرض کی حیثیت رکھتا ہے اور جن لوگوں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے وہ اگر زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے تو سخت عذاب کے مستحق ہو جائیں گے۔ اس کتاب میں اتنی گنجائش نہیں کہ زکوٰۃ کے تفصیلی احکام بیان کیے جائیں نہ اس کا مقصد ہی تفصیلی احکام بیان کرنا ہے۔ اسے لکھنے کا مقصد تو صرف پڑھنے والے کو نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت، فضیلت اور برکات کا احساس دلانا اور ان کے دلوں میں انہیں ادا کرنے کا شوق پیدا کرنا ہے۔ پھر جن کے دلوں میں انہیں ادا کرنے کا شوق پیدا ہو جائے گا، وہ آسانی سے علمائے کرام سے تفصیلی احکام معلوم کر سکتے ہیں۔ ہاں زکوٰۃ کے بارے میں

کچھ بنیادی اصولوں سے واقف کرانا ضروری تھا۔ اس لیے یہاں کچھ بنیادی مسائل مختصراً پیش کیے جا رہے ہیں۔

پہلی شے جسے شروع ہی میں واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ لفظ "صدقہ" اور "صدقات" ہے۔ ہمارے ہاں لفظ "صدقہ" ایک خاص معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی جب کسی کی جان کو خطرہ درپیش ہوتا ہے یا کوئی بہت بڑی بیماری، مصیبت یا حادثہ پیش آ جاتا ہے جس میں ہلاکت کا ڈر ہوتا ہے تو اس وقت جو خیرات اس لیے کی جاتی ہے کہ خدا اس مصیبت کو ٹال دے صرف اس خیرات کو "صدقہ" کہا جاتا ہے۔ باقی وہ خیرات جو ہم خدا کی خوشنودی اور اپنی آخرت کی بہتری کے لیے کرتے ہیں، اس کو "صدقہ" نہیں کہا جاتا اور نہ زکوٰۃ کو "صدقہ" کہا جاتا ہے۔ مگر قرآن و حدیث میں لفظ "صدقہ" یا "صدقات" راہِ خدا دینے کی ہر شکل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چاہے وہ عام خیرات ہو یا وہ خیرات ہو جو مصیبت ٹالنے کے لیے دی جاتی ہے یا زکوٰۃ ہو۔

لہٰذا اس کتاب کے مطالعے کے دوران یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آیات و احادیث میں جہاں جہاں لفظ "صدقہ" یا "صدقات" استعمال ہوا ہے، وہاں مراد زکوٰۃ یا خیرات ہے۔

زکوٰۃ کا مفہوم ہے پاک ہونا، بڑھنا، نشوونما پانا، اور فقہ کی اصطلاح میں زکوٰۃ سے مراد ہے کہ ہر صاحبِ نصاب مسلمان اپنے مال میں سے ہر سال شریعت کا معیّن کردہ مقرر حصّہ نکال کر ان لوگوں کو دے دے جو شریعت کی نظر میں زکوٰۃ لینے کے قابل ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ "صاحبِ نصاب" کون ہے اور اسے ہر سال

اپنے مال میں سے کتنا مال نکال کر مستحق لوگوں کو دینا چاہیے اور وہ لوگ کون ہیں جنہیں شریعتِ اسلامیہ مستحق گردانتی ہے۔

صاحبِ نصاب

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے مال پر زکوٰۃ عائد نہیں کی بلکہ مال کی کچھ قسموں پر عائد کی ہے۔ وہ قسمیں حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ سونا چاندی جس میں نقدی بھی شامل ہے۔
۲۔ مویشی۔
۳۔ سامانِ تجارت۔
۴۔ زرعی زمین کی پیداوار۔
۵۔ کانیں یا خزانے دفینے وغیرہ جو اچانک مل جائیں۔

ان پانچوں چیزوں میں سے ہر ایک کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک حد مقرر کر دی ہے کہ جب کوئی شے اس حد پر پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی اور اگر اس حد سے کم ہو گی تو فرض نہیں ہو گی۔ مثلاً سونے کے بارے میں بعض علماء کا خیال ہے کہ جب وہ سات تولے چھ ماشے ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔ کچھ اور علماء کا خیال ہے کہ جب سونا پانچ تولے ڈھائی ماشے ہو تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے، اس سے کم ہو تو نہیں ہوتی۔ یہ حد جس پر پہنچ کر سونے کی زکوٰۃ دینا فرض ہو جائے گا، سونے کا "نصاب" کہلائے گی۔ لہٰذا یوں کہا جائے گا کہ سات تولے چھ ماشے سونا (اور دوسری رائے کے مطابق پانچ تولے ڈھائی ماشے سونا)، سونے کا نصاب ہے۔

اب جس شخص کے پاس اتنا سونا ہو گا اُسے "صاحبِ نصاب" کہا جائے

گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے پاس زکوٰۃ والی چیزوں میں سے کوئی چیز اس حد پر پہنچ چکی ہے جس حد پر پہنچنے کے بعد اس پر زکوٰۃ عائد ہو جاتی ہے یا سادے الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ "صاحبِ نصاب" وہ شخص ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہو چکی ہے۔

سونے کی طرح دوسری چیزوں کا بھی "نصاب" مقرر ہے مثلاً چاندی کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ جب وہ باون[۵۲] تولے، چھ ماشے، اور پانچ رتی ہو گی تو اس پر زکوٰۃ عائد ہو جائے گی اور دوسری رائے یہ ہے کہ جب چاندی چھتیس[۳۶] تولے اور ساڑھے پانچ ماشے ہو گی تو اس پر زکوٰۃ عائد ہو جائے گی یعنی باون تولے، چھ ماشے اور پانچ رتی چاندی (یا دوسری رائے کے مطابق چھتیس تولے اور ساڑھے پانچ ماشے چاندی) چاندی کا نصاب ہے

نقدی کے بارے میں یہ ہے کہ جب نقدی اتنی ہو جائے کہ اس سے نصاب کی حد تک چاندی خریدی جا سکے تو پھر نقدی پر بھی زکوٰۃ عائد ہو جائے گی۔ ایسے ہی سامانِ تجارت کا نصاب بھی وہی ہے جو سونے اور چاندی اور نقدی کا ہے یعنی یہ کہ جب کسی تاجر کا سامانِ تجارت اتنی مالیت کا ہو جائے جتنے سے نصاب کی حد تک چاندی خریدی جا سکے تو اس تاجر پر زکوٰۃ لگ جائے گی۔

مویشیوں کا نصاب یہ ہے کہ بکریاں جب چالیس ہو جائیں، گائیں تیس ہو جائیں اور اونٹ پانچ ہو جائیں تب ان پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ اس سے کم ہوں تو نہیں ہوتی۔ گویا بکریوں کے لیے چالیس کا اور گائوں کے لیے تیس[۳۰] کا اور اونٹوں کے لیے پانچ کا عدد نصاب ہے۔

شرح زکوٰۃ اب سوال یہ ہے کہ ہر سال مال کا کتنا حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے۔ اس کے لیے عام اصول یہ ہے کہ سونا چاندی، نقدی اور سامانِ تجارت کا چالیسواں حصہ دیا جائے گا۔ زرعی زمین اگر بارش سے سیراب ہوتی ہے اور انسانی کوششوں نے اسے سیراب نہیں کیا تو اس کی پیداوار کا دسواں حصہ زکوٰۃ میں دے دیا جائے گا اور اگر زمین کو کسی نہر، کنویں، ٹیوب ویل وغیرہ سے سیراب کیا گیا ہے یعنی اگر انسانی کوششوں نے اسے سیراب کیا ہے تو پھر اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے گا۔ ایسے ہی اگر کسی کو کوئی خزانہ وغیرہ مل جائے تو اس کا پانچواں حصہ زکوٰۃ میں دے دیا جائے گا۔

اب یہ بات یاد رکھنا بہت ضروری ہے کہ سونا، چاندی، سامانِ تجارت، مویشی وغیرہ کا یہ حکم ہے کہ جب کوئی شے نصاب کی حد تک پہنچ جائے تو اس دن سے لے کر آگے ایک سال تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ جب ایک سال گزر جاتا ہے تو پھر اس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے مگر خزانے کی یہ بات ہے کہ جیسے ہی ملے فوراً اس کا پانچواں حصہ بطور زکوٰۃ نکال دینا ہوگا۔ اس معاملے میں ایک سال کا انتظار نہیں کرنا ہوگا۔

مصارفِ زکوٰۃ اب رہی یہ بات کہ وہ کون لوگ ہیں جنہیں زکوٰۃ لینے کا مستحق سمجھا گیا ہے تو اُن کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی تعیین فرما دی ہے۔ سورہ توبہ آیت ۶۰ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ	"یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور
وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا	مسکینوں کے لیے ہیں اور اُن لوگوں کے
وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ	لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں
فِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ	اور اُن کے لیے جن کی تالیفِ قلب مطلوب
وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ	ہو نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں

السَّبِیْلِ ط — کی مدد کرنے میں اور راہِ خدا میں اور
مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں"۔

اس آیت پاک کی رُو سے زکوٰۃ کے مستحق لوگ حسبِ ذیل ہوں گے :

۱۔ فقراء۔
۲۔ مساکین۔
۳۔ وہ لوگ جو زکوٰۃ کے محکمے کے ملازم ہوں۔
۴۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مطلوب ہو۔
۵۔ وہ لوگ جو غلامی کا شکار ہیں، انہیں غلامی سے چھڑانے کے سلسلے میں زکوٰۃ صرف کی جائے گی۔
۶۔ قرضدار۔
۷۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے۔
۸۔ مسافر۔

ان آٹھ مصارف کے سلسلے میں علماء نے جو کچھ فرمایا ہے، اس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے :

"(زکوٰۃ کا پہلا مستحق فقیر ہے) فقیر سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی معیشت (یعنی روزی) کے لیے دوسرے کی مدد کا محتاج ہو۔ یہ لفظ تمام حاجتمندوں کے لیے عام ہے خواہ وہ جسمانی نقص یا بڑھاپے کی وجہ سے مستقل طور پر محتاجِ اعانت ہو گئے ہوں یا کسی عارضی سبب سے سردست مدد کے محتاج ہوں اور اگر انہیں سہارا مل جائے تو آگے چل کر خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہوں مثلاً یتیم بچے، بیوہ عورتیں، بے روزگار لوگ اور وہ لوگ جو وقتی حوادث کے شکار ہو گئے ہوں۔"

"زکوٰۃ کا دوسرا مستحق مسکین ہے۔ مسکنت کے لفظ میں عاجزی، درماندگی، بیچارگی اور ذلت کے مفہومات شامل ہیں۔ اس اعتبار سے مساکین وہ لوگ ہیں جو عام حاجتمندوں کی بہ نسبت زیادہ خستہ حال ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ ایسے لوگوں کو مستحق امداد ٹھہرایا ہے جو اپنی ضروریات کے مطابق ذرائع نہ پا رہے ہوں اور سخت تنگ حال ہوں مگر نہ تو اُن کی خودداری کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی اجازت دیتی ہو اور نہ اُن کی ظاہری پوزیشن ایسی ہو کہ کوئی انہیں حاجتمند سمجھ کر اُن کی مدد کے لیے ہاتھ بڑھائے۔ چنانچہ حدیث میں اس کی تشریح یوں آئی ہے کہ "مسکین وہ ہے جو اپنی حاجت بھر مال نہیں پاتا اور نہ پہچانا جاتا ہے کہ اس کی مدد کی جائے اور نہ کھڑا ہو کر لوگوں سے مانگتا ہے" — گویا وہ ایک ایسا شریف آدمی ہے جو غریب ہے"۔

"زکوٰۃ کے تیسرے مستحق وہ لوگ ہیں جنہیں عَامِلِیْنَ عَلَیْھَا کہا گیا ہے یعنی وہ لوگ جو صدقات وصول کرنے اور وصول شدہ مال کی حفاظت کرنے اور اُن کا حساب کتاب لکھنے اور انہیں تقسیم کرنے میں حکومت کی طرف سے استعمال کیے جائیں۔ ایسے لوگ خواہ فقیر و مسکین نہ ہوں، اُن کی تنخواہیں بہرحال صدقات ہی کی مد سے دی جائیں گی"۔

"زکوٰۃ کے چوتھے مستحق وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کی الفت پیدا کرنا مطلوب ہو" تالیف قلب کا مطلب ہے دل موہنا۔ اس حکم سے مقصود یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی مخالفت میں سرگرم ہوں اور مال دے کر اُن کے جوشِ عداوت کو ٹھنڈا کیا جا سکتا ہو، یا جو لوگ کفار کے کیمپ میں ایسے ہوں کہ اگر مال سے انہیں توڑا جائے تو ٹوٹ کر مسلمانوں کے مددگار

بن سکتے ہوں یا جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور ان کی سابقہ عداوت یا اُن کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے اندیشہ ہو کہ اگر مال سے ان کی استمالت نہ کی گئی تو پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے، ایسے لوگوں کو مستقل وظائف یا وقتی عطیے دے کر اسلام کا حامی و مددگار، یا مطیع و فرمانبردار، یا کم از کم بے ضرر دشمن بنا لیا جائے۔ اس مد پر غنائم اور دوسرے ذرائع آمدنی سے بھی مال خرچ کیا جا سکتا ہے اور اگر ضرورت ہو تو زکوٰۃ کی مد سے بھی"۔

یہاں یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ علماء میں سے ایک طبقے کا خیال یہ ہے کہ زکوٰۃ کسی صورت بھی غیر مسلم کو نہیں دی جا سکتی۔ چنانچہ اگر تالیفِ قلب ہی پر خرچ ہو تو بھی ضروری ہے کہ جس کو دی جائے وہ مسلمان ہو۔

"(زکوٰۃ کا پانچواں مصرف یہ بتایا گیا ہے کہ اسے گردنیں چھڑانے پر صرف کیا جائے) گردنیں چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ غلاموں کی آزادی میں زکوٰۃ کا مال صرف کیا جائے۔"

"(زکوٰۃ کا چھٹا مصرف یہ بتایا گیا ہے کہ اسے قرضداروں کی مدد کرنے میں صرف کیا جائے) یعنی ایسے قرضدار، جو اگر اپنے مال سے اپنا پورا قرض چکا دیں تو ان کے پاس قدرِ نصاب سے کم مال بچ سکتا ہو، وہ خواہ کمانے والے ہوں، خواہ بیروزگار اور خواہ عرفِ عام میں فقیر سمجھے جاتے ہوں یا غنی، دونوں صورتوں میں ان کی اعانت زکوٰۃ کی مد سے کی جا سکتی ہے مگر متعدد فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جس شخص نے بداعمالیوں اور فضول خرچیوں میں اپنا مال اڑا کر اپنے آپ کو قرضداری میں مبتلا کیا ہو اس کی مدد نہ کی جائے جب تک وہ توبہ نہ کر لے"۔

"(زکوٰۃ کا ساتواں مصرف یہ بتایا گیا ہے کہ اسے راہِ خدا میں صرف

کیا جائے) ائمہ سلف کی بڑی اکثریت اسی کی قائل ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے، یعنی وہ جدوجہد جس سے مقصود نظامِ کفر کو مٹانا اور نظامِ اسلامی کو قائم کرنا ہو۔ اس جدوجہد میں جو لوگ کام کریں اُن کو سفر خرچ کے لیے، سواری کے لیے، آلات و اسلحہ اور سروسامان کی فراہمی کے لیے زکوٰۃ سے مدد دی جاسکتی ہے۔"

"(زکوٰۃ کا آٹھواں اور آخری مصرف یہ بتایا گیا ہے کہ اسے مسافر نوازی پر صرف کیا جائے) مسافر خواہ اپنے گھر میں غنی ہو لیکن حالتِ سفر میں اگر وہ مدد کا محتاج ہو جائے تو اس کی مدد زکوٰۃ کی مد سے کی جائے گی۔"

(خلاصہ از تفہیم القرآن، جلد دوم، صفحات ۲۰۵ تا ۲۰۸)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں شریعت میں زکوٰۃ لینے کا مستحق سمجھا گیا ہے۔

زکوٰۃ فرض کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو زکوٰۃ کے مصارف متعین کر دیے ہیں، اس چیز نے زکوٰۃ کے فوائد کو بہت بڑھا دیا ہے۔ مصارف متعین ہو جانے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ حکمرانوں کے ہاتھ میں کھلونا نہیں بن سکتی اور مستحق لوگوں ہی پر صرف ہوتی ہے۔ شریعت میں یہ تنبیہہ بھی موجود ہے کہ اگر زکوٰۃ صحیح مصرف پر صرف نہ ہوئی تو وہ ادا نہیں ہوگی۔ یہ تنبیہہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو محتاط کر دیتی ہے کہ وہ لاپروائی سے زکوٰۃ کو جا و بے جا استعمال نہ کریں بلکہ احتیاط سے صحیح مصارف پر صرف کریں۔

زکوٰۃ کہاں صرف نہیں کی جاسکتی

زکوٰۃ کے مصارف سمجھ لینے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ بعض لوگوں کے بارے میں خاص طور پر تاکید کی گئی ہے کہ انہیں زکوٰۃ نہ دی جائے۔ وہ لوگ حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ بنو ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ بنو ہاشم اگر صاحبِ نصاب ہوں تو زکوٰۃ

دینا اُن پر فرض ہے لیکن اگر وہ محتاج ہوں تو زکوٰۃ لے نہیں سکتے۔ یہاں تک کہ اگر وہ زکوٰۃ وصول کرنے والے محکمے میں کام کرنا چاہیں تو وہ مفت کام کر سکتے ہیں مگر زکوٰۃ کی مد میں سے تنخواہ نہیں لے سکتے۔ جنہیں ہم لوگ سید کہتے ہیں۔ وہ بھی بنو ہاشم ہی میں سے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی زکوٰۃ نہیں لے سکتے۔ حضورؐ نے اس بارے میں سخت تاکید فرمائی ہے۔

۲۔ کوئی شخص اپنے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، پردادا پردادی، پرنانا پرنانی وغیرہ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

۳۔ ایسے ہی کوئی شخص بیٹے بیٹی، پوتے پوتی، نواسے نواسی اور آگے ان کی اولاد در اولاد کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

۴۔ خاوند بیوی کو اور بیوی خاوند کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔

۵۔ کسی غیر مسلم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

۶۔ کسی صاحبِ نصاب شخص کو جس کے اپنے آپ پر زکوٰۃ دینا واجب ہو، زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان پابندیوں نے نظامِ زکوٰۃ کی افادیت کو بہت بڑھا دیا ہے اور مستحقین کو اس سے بہت فائدہ پہنچا ہے۔ کیونکہ اگر بنو ہاشم کو دینے پر پابندی نہ لگی ہوتی تو مسلمانوں کی غالب اکثریت انہیں کو دینا پسند کرتی اور اس طرح زکوٰۃ پر ایک طبقے کی اجارہ داری قائم ہو جاتی۔ ایسے ہی اگر شوہر بیوی، والدین اور اولاد کو دینے کی اجازت ہوتی تو زکوٰۃ گھر کے اندر ہی رہ جاتی اور ان دونوں باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا کہ محتاج محروم رہ جاتے۔ ایسے ہی نصاب کی لائن کھینچ دینے کے باعث بھی مفلوک الحال طبقے کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ کیونکہ جو ذرا بھی خوش حال ہوں گے اور ضروریات

پوری کرکے کچھ بچا سکتے ہوں گے، اُن تک زکوٰۃ جا ہی نہیں سکے گی انہیں تک رہے گی، جو اگر ضروریات پوری بھی کر لیتے ہیں تو بس ضروریات ہی پوری کر سکتے ہیں کچھ جمع نہیں کر سکتے۔ اگر زکوٰۃ کے ساتھ یہ پابندیاں نہ لگائی جاتیں تو نظامِ زکوٰۃ اجتماعی عدل قائم کرنے کے سلسلے میں جو فریضہ ان پابندیوں کی صورت میں ادا کر رہا ہے وہ تب ادا نہ کر سکتا۔

تمام الہامی مذاہب میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ موجود تھے مگر اسلام نے ان تینوں کو زیادہ مکمل، مفید اور مؤثر شکل میں پیش کیا ہے۔

نظامِ زکوٰۃ کے بارے میں یہ چند اصول مختصراً بیان کر دیے گئے ہیں کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اس کتاب کا مقصد صرف اسلامی عبادات کی فرضیت، اہمیت، فضیلت اور برکات کا احساس دلانا ہے تفصیلی مسائل بیان کرنا نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایسے علماء بھی موجود ہیں جو تفصیلی احکام بتا سکتے ہیں اور دینی ادب میں ایسی کتابیں بھی موجود ہیں جو علم کے پیاسوں کی پیاس بجھا سکتی ہیں۔ اس کتاب کا مقصد تو صرف پیاس پیدا کرنا ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت

اسلام کے بعض دوسرے احکام کی طرح زکوٰۃ بھی بتدریج فرض ہوئی تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ کی تلقین اسلام کے ابتدائی زمانے ہی سے کی جانی شروع ہو گئی تھی۔ حضورؐ کے نبی بننے کے بعد پانچویں سال کچھ مسلمان کافروں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ ان میں حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ بھی تھے۔ حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی نے جب ان سے اسلام کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے جواب میں جو تقریر فرمائی اس میں یہ جملہ بھی تھا "وہ پیغمبرؐ ہمیں یہ سکھاتا

ہے کہ ہم نماز پڑھیں، روزے رکھیں اور زکوٰۃ دیں"۔ یہ واقعہ ہجرتِ مدینہ سے بہت پہلے کا ہے اور اس سے پایا جاتا ہے کہ اُس زمانے ہی سے زکوٰۃ کا حکم دیا جاتا تھا مگر یہ راہِ خدا میں خرچ کرنے کا ایک عام حکم تھا۔ اُس وقت تک ابھی زکوٰۃ کے اصول اور قاعدے طے نہیں ہوئے تھے نہ یہ بتایا گیا تھا کہ کن کن چیزوں پر زکوٰۃ ہے، نہ یہ حکم ملا تھا کہ کتنی دی جائے اور کب دی جائے۔

پھر ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینۂ منوّرہ آگئے اور کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو ۲ھ میں جب روزے فرض ہوئے تو ساتھ ہی صدقۂ فطر بھی فرض ہوگیا۔ صدقۂ فطر یہ تھا کہ عیدالفطر کے دن نماز سے پہلے ہر مسلمان ایک مقررہ مقدار میں غلّہ خدا کی راہ میں خیرات کرے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو صدقہ و خیرات کی عام طور پر تاکید کی گئی اور لوگوں کے یہ پوچھنے پر کہ ہم کیا خیرات کریں انہیں بتایا گیا کہ جو ضروریات سے بچ جائے وہ خدا کی راہ میں دیا کرو۔

پھر ۸ھ میں جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے مکّہ فتح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت طاقت عطا کر دی تو یہ آیت نازل ہوئی:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ (التوبۃ: ۱۰۳)

"تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو"۔

اس کے بعد پھر اسلامی حکومت نے زکوٰۃ وصول کرنے اور اُسے طریقے سے صرف کرنے کی ذمہ داری سنبھال لی۔ زکوٰۃ کے تمام احکام و قوانین مرتّب ہوئے۔ زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عاملوں کو مقرر کیا گیا اور باقاعدہ ایک بیت المال کی

صورت پیدا ہوئی اور ہمیشہ کے لیے مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا تھا کہ اُن میں سے جس جس کے پاس کوئی زکوٰۃ والا مال نصاب کی حد تک ہو، وہ ہر سال اُس میں سے ایک معیّن حصّہ نکال کر دیا کرے جو اُن لوگوں کا حق ہوگا جو شرعاً زکوٰۃ لینے کے مستحق ہوں گے۔

زکوٰۃ کی اہمیّت اسی سے ظاہر ہے کہ لفظ زکوٰۃ کلام پاک میں کم و بیش بتیس ۳۲ دفعہ استعمال ہوا ہے اور نیکوکاروں کی تعریف کرتے ہوئے ان کی ایک صفت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ جو لوگ زکوٰۃ کے فریضے سے غفلت برتیں اُن کو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سخت وعید سنائی ہے:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو سونے چاندی والا اپنے سونے چاندی کا حق ادا نہیں کرے گا (یعنی اُن کی زکوٰۃ نہیں دے گا) تو پھر جب قیامت کا دن آئے گا تو اس کے لیے آگ کی چٹانیں بچھائی جائیں گی، پھر انہیں دوزخ کی آگ میں خوب گرم کیا جائے گا، اور اُن سے اُس (زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے) کے پہلو اور پیشانی اور پشت کو داغا جائے گا جب بھی وہ ٹھنڈی ہوں گی اُنہیں پھر گرم کر لیا جائے گا (یہ عذاب) اُس دن (دیا جائے گا) جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہو گی۔ یہاں تک کہ جب سب بندوں کا فیصلہ ہو جائے گا تو اُسے یا تو جنت کا راستہ دکھا دیا جائے گا یا پھر دوزخ کا۔۔۔۔۔۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس کسی کو خدا نے مال دیا مگر اُس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی قیامت کے دن اُس کے لیے اس کے مال کو ایک گنجے سانپ کی شکل دے دی جائے گی جس (کی آنکھوں پر) دو کالی چکتیاں ہوں گی۔ اُس کو قیامت کے دن اُس کے گلے

کا طوق بنا دیا جائے گا۔ پھر وہ اس کے دونوں جبڑوں کو ڈسے گا۔ پھر کہے گا۔ "میں ہوں تیرا مال"، "میں ہوں تیرا خزانہ"۔ پھر آپؐ نے (یہ آیت) تلاوت کی۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ (جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے مال دیا ہے اور پھر وہ اس کے معاملے میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی اُن کے لیے اچھی ہے۔ نہیں، یہ تو اُن کے لیے نہایت بُری ہے، جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں، وہی قیامت کے دن اُن کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ (بخاری)

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپؐ نے فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یا آپؐ نے (یوں) فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں یا اسی طرح کی کوئی قسم کھا کر فرمایا کہ جس کسی کے پاس اُونٹ یا گائے یا بکریاں ہوں اور وہ اُن کا حق ادا نہ کرتا ہو (یعنی ان کی زکوٰۃ نہ دیتا ہو) تو قیامت کے دن یہ جانور اس طرح لائے جائیں گے کہ وہ پہلے سے زیادہ بڑے اور موٹے ہوں گے۔ وہ اُس (زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے) کو اپنے کھُروں سے روندیں گے اور اپنے سینگوں سے ماریں گے۔ جب اُن میں سے آخری جانور (اسے مار کر) اُس پر سے گزر جائے گا تو پھر اُن میں سے پہلا لوٹ کر اُس پر آ جائے گا (اور اسی طرح وہ مسلسل اسے روندتے اور مارتے رہیں گے) یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے۔ (بخاری)

(ایک دن) ایک عورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور

اُس کے ساتھ اُس کی ایک بیٹی بھی تھی اور اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو بڑے بڑے کنگن تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تو اُن کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ خدا قیامت کے دن تجھے ان کے بدلے میں دو آگ کے کنگن پہنا دے۔ راوی کہتے ہیں کہ اُس عورت نے وہ کنگن اُتار کر فوراً ہی انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال کر بولی کہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہیں (یعنی انہیں راہِ خدا صرف کر لیا جائے)۔ (ابوداؤد)

جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور آپؐ کی جگہ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنے تو بعض کمزور ایمان والوں نے حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ بڑے نرم مزاج تھے مگر اس بات پر آپؓ نے سخت رویہ اختیار کیا اور جن لوگوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا اُن کے خلاف جنگ کرنے کو تیار ہو گئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا کہ آخر آپؓ اُن لوگوں کے خلاف کیسے جنگ کر سکتے ہیں جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتے ہیں، جبکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا، اُس نے اپنا مال اور اپنی جان بچا لیے۔ سوائے کسی حق کے عوض۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم، میں ان کے خلاف ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریں گے۔ بیشک زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم اگر انہوں نے اونٹ باندھنے کی ایک رسی بھی، جو یہ حضورؐ کے زمانے میں زکوٰۃ میں دیتے تھے، اب روک لی تو اس پر بھی میں ان سے جنگ کروں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ بھی مان گئے کہ صحیح بات وہی تھی جس پر حضرت ابوبکرؓ تھے۔ کیونکہ اگر اس وقت

ذرا سی بھی نرمی دکھائی جاتی تو عجب نہیں کہ آہستہ آہستہ اسلام کی ساری عبادات ہی خطرے میں پڑ جاتیں۔

زکوٰۃ کی فرضیت پر جتنی تاکید آئی ہے اس کے پیش نظر یہ امر سخت افسوسناک ہے کہ بہت سے صاحبِ نصاب مسلمان اس فریضے کی طرف سے سخت غافل ہیں۔ اس کی زیادہ تر وجہ دینی احکامات سے ناواقفیت اور مال کی حرص ہے۔ بہت سے لوگ سرے سے جانتے ہی نہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کتنی ضروری ہے اور اس سے غفلت برتنے سے انسان کس عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

یہ تو اُن لوگوں کا حال ہے جو غفلت، جہالت، لاپروائی، مال کی حرص یا سرکشی کے باعث زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ ایک طبقہ ایسا بھی رہا ہے اور شاید اب بھی ہو، جو زکوٰۃ کی فرضیت کا احساس رکھتے ہیں مگر ادا نہیں کرنا چاہتے، لہٰذا اس سے بچنے کے لیے طرح طرح کے حیلے اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ زکوٰۃ اُس وقت فرض ہوتی ہے جب زکوٰۃ والے مال کو ملکیت میں آئے ایک سال گزر چکا ہو۔ بعض لوگ ایسا کرتے تھے کہ گیارہ مہینے خاوند مال کو اپنی ملکیت میں رکھتا تھا اور بارہویں مہینے بیوی کے نام منتقل کر دیتا تھا۔ اب اس مال کو بیوی کی ملکیت میں آئے جب تک سال نہ گزر جاتا زکوٰۃ فرض نہیں ہو سکتی تھی۔ بیوی گیارہ مہینے مال کو اپنی ملکیت میں رکھتی اور بارہویں مہینے خاوند کے نام منتقل کر دیتی اور یونہی یہ چکر چلتا رہتا۔ اب فقہی اصولوں کی رو سے تو زکوٰۃ فرض نہ ہوتی مگر سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ عیاریاں کرنے کی جسارت خود کس قدر قابلِ مذمت اور ایک کلمہ گو کی شان کے خلاف ہے!

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں وہ بات لکھ بھیجی جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی۔ وہ یہ کہ زکوٰۃ کے خوف سے نہ متفرق مال کو جمع کیا جائے اور نہ جمع مال کو متفرق کیا جائے۔

(بخاری)

ان احکام کا صحابۂ کرامؓ پر جو اثر ہوا تھا، اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں:

"ان فضائل اور ترغیب و ترہیب کی آیات و احادیث کا اثر یہ تھا کہ مسلمان خود اپنے نفوس کے نگران بن گئے تھے۔ وہ ایک طرف بیت المال کے لیے رضاکارانہ طور پر رقم اکھٹی کرتے تھے اور دوسری طرف اہلِ حاجت کے وکیل اور نمائندے بن جاتے تھے۔ وہ زکوٰۃ کے مستحقین اور اس کے صحیح مصارف کے لیے بہت فکر اور توجہ اور دیانت کے ساتھ جستجو کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حق جلد سے جلد اُن سے ادا ہو جائے۔ جب تک وہ یہ کام پورے نہ کر لیتے تھے انہیں کھانے پینے اور کسی چیز میں لطف نہ آتا تھا۔ صحابۂ کرامؓ اور تابعین کی زندگی کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کا رویّہ اور طرزِ زندگی کیا تھا اور ایمان نیز ترغیب و ترہیب کی ان احادیث نے ان کے دلوں کو کس درجہ متاثر کیا تھا۔ زکوٰۃ درحقیقت اُن کے لیے نماز کی طرح تھی، جس کی ادائیگی کے لیے ایک سچا مسلمان دل سے بے قرار رہتا ہے، اور جب تک نماز نہ پڑھ لے اس کے دل کو کسی طرح سکون نہیں ملتا۔"

(ارکانِ اربعہ، صفحہ ۱۶۵)

زکوٰۃ کی برکات

زکوٰۃ کے بارے میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ کوئی ٹیکس نہیں، جو بادلِ نخواستہ حکومت کو ادا کیا جاتا ہے بلکہ اس کی اصل حیثیت یہ ہے کہ یہ ایک عبادت ہے اور اس کی ادائیگی میں وہی روح موجود ہونی چاہیے جو نماز، روزے اور حج میں ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کی روح یہ ہے کہ جو مال بھی ہمارے پاس ہے۔ اس کا اصل مالک خدا ہے اور ہم نے اُس میں سے ایک حصّے کو خدا ہی کی راہ میں دے کر اس کی خوشنودی حاصل کرنی ہے۔

اگر زکوٰۃ دینے والے کے دل میں یہ بات اچھی طرح نقش ہو کہ مال سارے کا سارا خدا کا ہے تو پھر اُسے حیرت ہو کہ خدا نے اپنے اس مال میں سے اپنی راہ میں خرچ کیے جانے کے لیے کتنا تھوڑا مال فرض کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ چالیسواں یا بیسواں یا دسواں یا پانچواں حصّہ اصل مال کے مقابلے میں بہت تھوڑا ہے اور وہ دیا بھی جاتا ہے ایک پورا سال گزر جانے کے بعد۔ جب زکوٰۃ اپنی صحیح روح کے ساتھ ادا ہو گی تو انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی دونوں میں اس کی بے پناہ برکات کا ظہور ہو گا۔

۱۔ مال کی پاکی اور برکت

اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کر دینے کے باعث بقیہ مال پاک ہو جاتا ہے اور خدا اُس میں برکت ڈالتا ہے۔ سورۃ التوبہ، آیات ۱۰۳ میں فرمایا

گیا ہے

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۔

"اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک سزا کی خوشخبری سنا دو۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزا چکھو۔"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان آیاتِ مقدسہ کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حکم زکوٰۃ (فرض ہونے) سے پہلے کا ہے۔ پھر جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہو گیا تو خدا نے اس (زکوٰۃ) کو مال کی پاکیزگی کا سبب بنا دیا۔

(بخاری)

مندرجہ بالا آیت اور حدیث کو ملائیں تو جو مفہوم نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ مال و دولت کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کا وہی مال اُن کے لیے عذاب کا ذریعہ بن جائے گا۔ ہاں البتہ اگر وہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دیا کریں گے تو بقیہ مال پاک ہو جائے گا اور اُس کو رکھنے کے باعث انسان عذاب کا مستحق نہیں ہو گا۔

اسلام میں سُود کو حرام قرار دیا گیا ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی فرض کردی گئی ہے۔ اب انسان ظاہرا طور پر دیکھے تو اُسے یہی نظر آتا ہے کہ سُود لینے سے مال بڑھتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے کم ہوتا ہے مگر حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ سورۃ الرُّوم، آیت ۳۹ میں فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝

"جو سُود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے اموال میں شامل ہو کر وہ بڑھ جائے، اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا، اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو، اُسی کے دینے والے درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں۔"

یہ آیت واضح الفاظ میں بتا رہی ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال بڑھتا ہے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے پہلے یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ اصل فیصلہ کن شے مال کی مقدار نہیں بلکہ وہ اچھے نتائج ہیں جو مال پیدا کرتا ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ اصل شے یہ نہیں کہ مال کتنا ہے بلکہ یہ ہے کہ مال میں برکت کتنی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کے پاس مال دیکھنے میں بہت ہو مگر اس کی برکت صفر ہو۔ اور بالکل ممکن ہے کہ کسی دوسرے کے پاس مال بظاہر تھوڑا ہو مگر اس تھوڑے مال میں برکت بہت زیادہ ہو۔ یعنی اس تھوڑے مال نے اچھے نتائج بہت پیدا کیے ہوں۔ مثال کے طور پر ایک گھرانے میں حلال کمائی آتی ہے جو دیکھنے میں تھوڑی سی ہے۔ اس گھرانے کا بچہ موٹا جھوٹا کھا کر اور معمولی فیسوں والے اسکول میں پڑھ کر بہت اچھے نمبر لے کر پاس ہو جاتا ہے اور سال

کے آخر میں اُسے وظیفہ مل جاتا ہے۔ ایک دوسرے گھرانے میں حرام کمائی آتی ہے اور بہت زیادہ آتی ہے۔ اس گھرانے کا بچہ بڑے مہنگے اسکول میں تعلیم حاصل کرتا ہے۔ اس کی غذا، لباس، سواری اور پڑھائی کے سامان پر بہت زیادہ روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور وہ سال کے آخر میں فیل ہو جاتا ہے اور سال بھر اس کی تعلیم پر جو کچھ خرچ ہوا تھا سب ضائع ہو جاتا ہے — اب یہ کہا جائے گا کہ اوّل الذکر بچے پر جو تھوڑے سے پیسے خرچ ہوئے تھے اُن میں بہت برکت ہوئی اور آخر الذکر پر جو بہت زیادہ مال خرچ ہوا، وہ برکت سے خالی رہا۔

اب اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ جو لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں وہ اپنے مال بڑھاتے ہیں تو اُن کے مال ایک تو اس طرح بڑھتے ہیں کہ وہ آخرت کا ثواب کماتے ہیں اور دوسرے بسا اوقات زکوٰۃ ادا کرنے والوں کا مال دیکھنے میں بھی بڑھ ہی جاتا ہے اور اگر بظاہر دیکھنے میں وہ نہ بھی بڑھے تو اس کی خیر و برکت تو لازماً بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور اصل شے، جیسے کہ بیان ہوا، مال کی مقدار نہیں بلکہ مال کی برکت ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اس لفظ "برکت" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"برکت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے کی تجوریاں بھر جاتی ہیں یا اس کے بینک بیلنس میں اضافہ ہو جاتا ہے یا اس کے املاک و جائداد کی مقدار اور تعداد کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے بلکہ برکت کا مفہوم یہ ہے کہ مال کا جو حقیقی فائدہ اور نفع ہے جس مقدار میں وہ حاصل کرتا ہے اس کے مقابلے میں دوسرے حاصل نہیں کر پاتے۔ خلقِ خدا کی جو خدمت اس کے مال سے انجام پاتی ہے، دوسروں کے مال سے انجام نہیں پاتی۔ معاشرے اور تمدّن کی اصلاح و ترقی میں

[illegible] اُس کے مال کا ہوتا ہے، دوسروں کے مال کا نہیں ہوتا۔ خدا کی خوشنودی کا جو لازوال خزانہ وہ اپنے مال کے بدلے میں حاصل کر لیتا ہے، دوسرے اس سے محروم رہتے ہیں۔ خلقِ خدا کے دلوں میں عزّت اور محبت کا جو مقام اسے ملتا ہے، روپے کو گِن گِن کر رکھنے والے اور کوٹھیوں اور کاروں کے مالک اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جو فراغِ خاطر، جو سکونِ قلب، جو اعتماد علی اللہ، جو قلبی مسرت اور دل اور رُوح کی جو بادشاہی اُس کو حاصل ہوتی ہے، دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو کبھی خواب میں بھی وہ چیز نظر نہیں آتی ـــ اس برکت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انفاق کرنے والے کا مال چونکہ دوسروں کے دبائے ہوئے حقوق کی فاسد ملاوٹ سے پاک ہوتا ہے اس لیے صالح بیج کی طرح اس کی قوتِ نشوونما میں بڑا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی قدر و قیمت کو مضاعف کر دیتا ہے اور اُن آفتوں سے وہ محفوظ ہو جاتا ہے جو آفتیں اندر ہی اندر اُن مالوں کو چٹ کرتی رہتی ہیں جن کے اندر دوسروں کے حقوق کی آلائشیں ملی ہوئی ہوتی ہیں۔"

(تزکیۂ نفس، صفحہ ۲۸۰)

۲۔ دل کی پاکی

زکوٰۃ کی دوسری برکت یہ ہے کہ یہ دل کو پاک کرتی ہے۔ انسانی جسم کی طرح انسانی دل بھی بہت سی غلاظتوں اور بیماریوں کا شکار ہوتا ہے جن میں سے مال و دولت کی حرص، بخل، کنجوسی وغیرہ بہت بڑی بڑی غلاظتیں ہیں جن کے نتائج انسانیت کے لیے ہمیشہ ہولناک ثابت ہوتے رہے ہیں۔

رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے۔

..... خدا کی قسم میں تمہارے بارے میں فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا بلکہ

مجھے اس بات کا خوف ہے کہ دنیا تم پر کشادہ ہو جائے جیسے وہ تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی۔ پھر تم اس میں ایسی رغبت کرنے لگو جیسی اُس میں اُن پہلوں نے کی تھی۔ پھر وہ تمہیں ہلاک کر دے جیسے اس نے اُن پہلوں کو کیا تھا۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ رضؓ ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ بچو تم لالچ سے کہ تم سے پہلے والے لوگ لالچ کے باعث ہلاک ہو گئے۔ لالچ نے اُنہیں بخل کا حکم دیا تو وہ بخیل ہو گئے اور لالچ نے انہیں رشتے داری کاٹنے کا حکم دیا تو انہوں نے رشتے داری کاٹی اور لالچ نے انہیں فسق و فجور کا حکم دیا تو وہ فاسق و فاجر ہو گئے۔

(ابوداؤد)

زکوٰۃ دل سے حرص اور لالچ کو دُور کر کے سخاوت کی طرف مائل کرتی ہے۔ جس کا نتیجہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کے اپنے حق میں بھی نہایت اچھا نکلتا ہے اور اُس معاشرے کے حق میں بھی جس میں وہ رہتا ہوتا ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ جس صلاحیت کی مشق زیادہ کی جائے وہ زیادہ نشوونما پاتی ہے۔ جب انسان زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے اپنے مال کا ایک حصہ ہر سال راہِ خدا دیتا ہے تو اس کے دل سے مال کی محبت کی غلاظت دُور ہوتی ہے اور راہِ خدا خرچ کرنے کا جذبہ بڑھتا ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

"نفس اور حرص و بخل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ حرص بدترین اخلاق میں سے ہے جو آخرت میں انسان کو سخت ہلاکت میں ڈال سکتی ہے۔ جو حریص ہوگا مرتے دم بھی اس کا دل مال ہی میں اٹکا رہے گا اور اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اگر اُس کو زکوٰۃ کی مشق ہو گی تو یہ حرص

اس سے ختم ہو چکی ہو گی جو بالآخر اُسے نفع پہنچائے گی۔"

(حجۃ اللہ البالغۃ)

حرص انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے بھی غافل کر دیتی ہے اور اس غفلت کا کارگر علاج راہِ خدا میں خرچ کرنا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان جن چیزوں یا ہستیوں پر اپنا مال خرچ کرتا ہے وہ اسے بہت عزیز ہوتی ہیں۔ پھر کلام پاک اور احادیثِ نبویہ میں بھی یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ ہم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں وہ بالکل ہمارا اپنا ہو جاتا ہے اور ایک دن آئے گا جب اُسے کئی گنا بڑھا کر ہمیں واپس کر دیا جائے گا۔ اب جو شخص عقل سے کام لے گا، اس کے دل میں خود بخود ہی یہ اشتیاق ابھرے گا کہ اپنے مال کو انہیں مصارف پر صرف کرے جن پر صرف ہونے سے وہ بڑھے اور بالآخر اُس کے کام آئے۔

اب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ چونکہ انسان کو اپنا مال محبوب ہوتا ہے اس لیے وہ جس کاروبار میں بھی اس مال کو لگاتا ہے اس کی کامیابی کا متمنی رہتا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

"جہاں آدمی اپنا سرمایہ لگاتا ہے تجربہ شہادت دیتا ہے کہ وہیں اس کا دل بھی رہتا ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں دیکھیے تو یہ بات بالکل واضح معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرے گا اُس کا دل بھی خدا ہی کے ساتھ رہے گا۔ کیونکہ اس کا مال خدا ہی کے پاس ہے۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ کا ارشاد ہے کہ تو اپنا مال اپنے خداوند کے پاس رکھ، کیونکہ جہاں تیرا مال رہے گا وہیں تیرا دل بھی رہے گا۔" (تزکیۂ نفس، صفحہ ۲۷۵)

چنانچہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے صرف یہی نہیں کہ دل بعض غلاظتوں سے پاک

ہوتا ہے بلکہ اس کے باعث دل میں خدا سے الفت، غریب بہن بھائیوں سے انس و محبت، ہمدردی، رحمدلی، ایثار اور احساسِ فرض جیسی خوبیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ اپنی زکوٰۃ کو ٹھیک جگہ صرف کرنے کی خاطر انسان خود ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتا ہے جو مدد کے مستحق ہوتے ہیں اور پھر ان ضرورتمندوں کی مدد کر کے اس کے دل میں شیخی نہیں آتی بلکہ شکر گزاری پیدا ہوتی ہے کہ فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ پھر زکوٰۃ کی ادائیگی کوئی ایسا کام تو ہے نہیں کہ زندگی میں صرف ایک ہی دفعہ انجام دینا ہو بلکہ صاحبِ نصاب نے تو ہر سال زکوٰۃ نکالنی ہوتی ہے۔ اس لیے بار بار کی مشق اس کے ان اوصافِ حمیدہ کو جو زکوٰۃ کی ادائیگی سے پیدا ہوتے ہیں اور پختہ کرتی اور چمکاتی چلی جاتی ہے۔

۳۔ کمزوروں کی اعانت

زکوٰۃ کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اسی کے باعث مسلم معاشرے کے غریب، محتاج اور کمزور لوگوں کی اعانت کا نہایت عمدہ بندوبست ہو جاتا ہے اور قوم کی دولت صرف خوش حال طبقے ہی تک محدود نہیں رہتی بلکہ مالی لحاظ سے کمزور لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ اسلامی شریعت نے مالی لحاظ سے مسلم معاشرے کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے اور ان کے درمیان نصاب کی حد قائم کر دی ہے۔ جو لوگ اس حد سے اوپر ہیں وہ دینے والے ہیں اور جو اس حد سے نیچے ہیں، وہ لینے والے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) معاذؓ بن جبل کو (والی بنا کر) یمن کی طرف بھیجا تو اُن سے فرمایا کہ تم ایسے لوگوں کے پاس جاؤ گے جو اہلِ کتاب ہیں۔ پس جب تم اُن کے

پاس پہنچو تو انہیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ پھر اگر وہ اس معاملے میں تمہاری اطاعت کر لیں تو انہیں بتانا کہ خدا نے اُن پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پھر اگر وہ اس معاملے میں بھی تمہاری اطاعت کر لیں تو اُنہیں بتانا کہ اللہ نے اُن پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو اُن کے امیروں سے لی جائے گی اور اُن کے فقراء کو دے دی جائے گی ..... (بخاری)

اب اگر ہر وہ مسلمان جو اس حد سے اُوپر ہے یعنی جو صاحب نصاب ہے وہ اپنی زکوٰۃ پوری پابندی سے ادا کرے تو اُوپر والوں کی دولت مسلسل نیچے والوں کو پہنچتی رہتی ہے۔

واضح رہے کہ نصاب کی حد بہت جلد شروع ہو جاتی ہے۔ شہری آبادی کے بے شمار لوگ تجارت کے ذریعے روزی کماتے ہیں اور دیہاتی آبادی کے زراعت کے ذریعے اور سامانِ تجارت اور زرعی زمین کی پیداوار دونوں پر زکوٰۃ عائد ہے۔ ایک درمیانی سی دکان میں بھی اتنا سامان تجارت موجود ہوتا ہے کہ اس پر زکوٰۃ عائد ہو جاتی ہے اور یہی حال زرعی زمین کی پیداوار کا ہے۔ اب اگر اُن لوگوں کو جن پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے، اس بات کا پورا احساس ہو کہ یہ فریضہ لازماً ادا کرنا ہے تو مفلسوں کی مفلسی خود بخود ہی کم ہوتی چلی جائے۔

غریب اور محتاج کی اعانت کا یہ طریقہ اتنا عمدہ ہے کہ کوئی اور نظامِ حیات اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے والے نے چونکہ زکوٰۃ کو عبادت سمجھ کر ادا کرنا ہوتا ہے، اس لیے فی الحقیقت اُن کے

غریب پر احسان جتانے یا زکوٰۃ کے بدلے میں اس سے کام لینے یا اُسے اذیت پہنچانے کا کوئی امکان نہیں۔ اب اگر کوئی شخص زکوٰۃ دینے کے باوجود دینی روح سے ایسا ہی بے بہرہ ہے کہ وہ ان جملہ حرکات کا مرتکب ہوتا ہے تو پھر یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ درحقیقت زکوٰۃ کے نظام کو بالکل سمجھا ہی نہیں ہے۔

زکوٰۃ کے متعلق شرعی حکم تو یہی ہے کہ اسلامی حکومت اسے وصول کر کے پھر طریقے سے اسے زکوٰۃ کے مصارف پر صرف کرے۔ اب اگر یہ نظام قائم ہو تو پھر تو اس بات کا امکان ہی کم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ لینے والے کو پتہ چل جائے کہ وہ کس کی زکوٰۃ لے رہا ہے یا دینے والے کو معلوم ہو جائے کہ اس کی زکوٰۃ کس کو دی جا رہی ہے۔ ہاں اگر بدقسمتی سے اسلامی حکومت موجود نہ ہو یا ہو مگر اس نے زکوٰۃ وصول کرنے کا بندوبست نہ کر رکھا ہو تو پھر صاحبِ نصاب اشخاص کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود ہی اپنی زکوٰۃ مستحق لوگوں تک پہنچائیں۔ اس صورت میں دینے والے اور لینے والے کا ضرور آمنا سامنا ہوگا۔ تاہم اگر زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو زکوٰۃ کے بارے میں ضروری ہدایات کا علم ہوگا اور ان میں صحیح اسلامی روح موجود ہوگی تو کسی خرابی کا امکان نہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ زکوٰۃ لینے والوں کے احسان مند تو ہو سکتے ہیں کہ اُن کے ذریعے اُن کا فرض ادا ہو گیا مگر اُن کے زکوٰۃ لینے والوں کو جتانے اور دُکھ دینے کا خدشہ نہیں کیونکہ انہوں نے درحقیقت صرف اپنے کندھوں کا بوجھ اُتارا ہے، کسی پر احسان نہیں کیا کہ اُسے جتانے کا سوال اُٹھے۔

نظامِ زکوٰۃ کے ذریعے مسلمان معاشرے کی دولت چپ چاپ خوشحال

طبقات سے نکل نکل کر غریب طبقات میں پھیلتی رہتی ہے اور اس طرح دولت کے معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان گردش میں آتے رہنے سے معاشرہ بحیثیت مجموعی خوش حال ہوتا ہے۔ اس وقت جس دور میں سے ہم گزر رہے ہیں اور جس طرح مسلمان صاحبِ نصاب لوگوں کی بھاری اکثریت زکوٰۃ ادا کرنے سے لاپروا ہے، اس صورتِ حالات میں زکوٰۃ کی خیر و برکت کا اندازہ لگانا محال ہے۔ اس کی خیر و برکت کا اندازہ تو اسی صورت میں لگایا جا سکتا ہے جب ہر صاحبِ نصاب شخص زکوٰۃ ادا کر رہا ہو۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے بلاشبہ یہ کوئی امیر ملک نہیں مگر اس میں بھی شرعی لحاظ سے صاحبِ نصاب لوگ اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور طریقے سے مستحق لوگوں تک پہنچائی جائے تو احتیاج کا دکھ حیرت انگیز طور پر کم ہو جائے۔ امیر نہ ہونے کے باوجود وطنِ عزیز میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اگر اپنی زکوٰۃ ٹھیک طریقے سے نکالیں تو وہ کروڑوں میں نکلے گی اور دوسری طرف جو لوگ ہمیں بالکل درمیانی حیثیت کے نظر آتے ہیں مثلاً چھوٹے چھوٹے دکاندار اور چھوٹے چھوٹے کاشتکار اور متوسط طبقے کے عام لوگ جن کے گھروں میں زیورات موجود ہوتے ہیں اور گوائے وغیرہ ان میں بے شمار لوگ وہ ہیں جو شرعاً صاحبِ نصاب ہیں اور اُن پر زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ اگر یہ سب "بڑے" اور "چھوٹے" اپنی زکوٰۃ ادا کریں اور وہ بندوبست کے ساتھ ضرورت مندوں تک پہنچے تو کیا پھر بھی اتنی مفلسی رہ سکتی ہے جتنی اب نظر آتی ہے؟۔

دینی احکام سے ناواقف ہونے کے باعث اور دین پر عمل کرنے سے جو دنیاوی خوش حالی بھی جلو میں آتی ہے اس سے ناآشنا ہونے کے

سبب ہم اُس خوش حال معاشرے کو تصوّر میں بھی نہیں لا سکتے، جو زکوٰۃ و خیرات، تقسیم وراثت اور اسلامی اخوّت کے باعث وجود میں آتا ہے۔

۴۔ خالق اور مخلوق سے تعلقات کی مضبوطی

زکوٰۃ اللہ کی راہ میں دی جاتی ہے اور انسانوں کو دی جاتی ہے۔ جس کے باعث زکوٰۃ ادا کرنے والے کے تعلقات خالق اور مخلوق دونوں سے گہرے ہوتے ہیں۔ خالق کے ساتھ اس طرح کہ خدا کی محبت اور خوف ہی کے باعث وہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے اور جب وہ اس کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے تو یہ خرچ کرنا اس کی محبت کو اور زیادہ شدید کر دیتا ہے اور مخلوق سے اس طرح کہ زکوٰۃ اسی کو دی جاتی ہے جو ضرورت مند ہوتا ہے اور جب ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوتی ہے تو اس کے دل میں ضرورت پوری کرنے والے کے لیے جذبۂ تشکّر ضرور پیدا ہوتا ہے اور یہی جذبۂ تشکّر محبت کا باعث بن جاتا ہے۔ دوسری طرف ضرورت پوری کرنے والے کے دل میں بھی ان لوگوں کے لیے محبت پیدا ہوتی ہے جن پر وہ مال خرچ کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ نظام غریب طبقات اور امیر طبقات کے درمیان الفت کا تعلق پیدا کرتا ہے اور ان کے درمیان ایسے باہمی روابط قائم ہو جاتے ہیں کہ غریب کے دل میں امیر کی امارت کے خلاف دشمنی پیدا ہونے کے بجائے اس میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کی خوش حالی میں میرا حصّہ بھی موجود ہے۔ زکوٰۃ کا نظام، جیسے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے، امیر سے لیتا ہے اور غریب کو دیتا ہے مگر اس عمدہ اور حکیمانہ انداز میں کہ دونوں کے درمیان دشمنی اور فساد پیدا ہونے کے بجائے باہمی محبت اور احترام پیدا ہوتا ہے!

کچھ ضروری ہدایات

کام کے بہت سے نتائج کام کرنے کے انداز اور طریقے پر منحصر ہوتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنا بھی اس سے باہر نہیں۔ قرآن پاک اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں کچھ اہم اصول اور قاعدے ایسے ہیں کہ اگر اُن کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے گا تو انفاق فی سبیل کی خیر و برکت بہت کم ہو جائے گی بلکہ بعض صورتوں میں عجب نہیں کہ یہ ثواب کے بجائے عذاب کا باعث بن جائے۔

۱۔ دلی خوشی سے خرچ کرنا اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جو کچھ بھی خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے دلی خوشی اور آمادگی سے کیا جائے۔ اس طرح نہ کیا جائے کہ گویا ایک مصیبت سر پر آ پڑی ہے اور اسے کسی نہ کسی طرح برداشت کرنا ہی ہے۔ اگر خدا کسی کو اس قابل بنا دے کہ وہ راہِ خدا خرچ کر سکے تو اُسے لاکھ لاکھ بار خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اُس نے اپنی رحمت سے کام لیتے ہوئے اسے "دینے والا" بنایا ہے "لینے والا" نہیں بنایا۔ آخر وہ اُسے "لینے والا" بھی تو بنا سکتا تھا۔

پھر یہ بھی ایک ناگزیر حقیقت ہے کہ انسان نفع والی تجارت کرکے

ہمیشہ خوش ہوتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ جو تجارت دنیا کی ہر تجارت سے زیادہ نفع بخش ہے، اُسے کرتے ہوئے اُسے خوشی نہ ہو۔ سورۃ التوبہ آیت: ۱۱۱ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ	"حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔"

پھر اسی آیت کے آخر میں ان لوگوں سے کہا گیا ہے کہ:

فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِہٖ ؕ وَ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ؕ	"پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکا لیا ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔"

یعنی اللہ کی راہ میں جان اور مال دینا ایک ایسا عمل ہے جس پر خوشیاں منائی جانی چاہئیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے راہ خدا میں خرچ کرنے کی صحیح روح کو سمجھا ہوا تھا، انہیں خرچ کرتے ہوئے بے پناہ مسرت حاصل ہوتی تھی اور خوشحالی ہو یا بدحالی راہِ خدا میں دینا اُن کے لیے ایک ایسا طبعی امر تھا جس کے بغیر اُن کی زندگی گویا بالکل نامکمل ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں:

"خوشدلی سے خیرات کرنا قبولیت کا نشان ہے۔"

۱۔ اچھی چیز دینا

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں دینے کے لیے اچھی سے اچھی اور پاک چیز کا انتخاب کرنا چاہیے۔ پاک سے صرف یہی مراد نہیں کہ وہ شے اسلامی شریعت کی رُو سے حلال اور جائز ہو بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جس کمائی سے وہ خریدی گئی ہے وہ کمائی

بھی حلال ہو۔ اب اگر کوئی شخص چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، سٹہ بازی، ملاوٹ، قمار بازی، رشوت، غبن، دھوکا فریب، لوٹ مار، چوری چکاری وغیرہ ناجائز افعال کے ذریعے دولت کماتا ہے اور پھر چل پڑتا ہے اس میں سے خیرات کرنے، تو یہ مال جو وہ خیرات کر رہا ہے پاک نہیں ہے۔ لہٰذا یہ خیرات قبول نہ ہوگی۔

ابوالملیح اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بغیر پاکی کے نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ وہ خیرات (یا زکوٰۃ) قبول ہوتی ہے جو خیانت کے مال میں سے کی جائے۔ (نسائی)

ایسے ہی ردّی اور نکمی چیزیں، یا وہ جو خود اپنے آپ کو پسند نہ آئیں، انہیں خیرات کرنے کے لیے چُن لینا بھی کوئی پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۶۷ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے بہتر حصّہ راہِ خدا میں خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کے لیے بُری سے بُری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو، حالانکہ وہی چیز اگر کوئی تمہیں دے تو تم ہرگز اسے لینا گوارا نہ کرو گے الّا یہ کہ اُسے قبول کرنے میں تم اغماض برت جاؤ۔"

یہ آیت اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ راہِ خدا دینے کے لیے اچھی چیز چُننا چاہیے۔ اس طرح خیرات کرنا کہ جو شے خود پسند نہیں چلو وہ راہِ خدا دے دیتے ہیں، کوئی درست طرزِ عمل نہیں۔ سنن ابن ماجہ میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص نے مسجد نبوی میں کھجوروں کا ایک خوشہ یا زیادہ خوشے بطورِ خیرات لٹکا دیے تاکہ محتاج کھائیں۔ یہ کھجوریں کچھ اچھی نہ تھیں اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اگر یہ خیرات کرنے والا شخص چاہتا تو اس سے بہتر خیرات کر دیتا۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ یہ خیرات کرنے والا قیامت کے دن خراب کھجوریں ہی کھائے گا۔

اسی مضمون کی ایک حدیث جامع ترمذی میں بھی بیان ہوئی ہے جس کے آخر میں یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو اس شخص نے دیا ہے اگر ایسا ہی ہدیہ تم میں سے کوئی اسے دیتا تو وہ اسے کبھی نہ لیتا مگر چشم پوشی کر کے یا شرم کی وجہ سے۔ اس حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ہمارا یہ حال ہو گیا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہوتا تھا ہم اس میں سے بہترین چیز چُن کر لاتے تھے۔

نیکی کی بنیاد خدا کے خوف اور خدا کی محبت پر قائم ہے اور خدا کی محبت کا قدرتی تقاضا یہی ہے کہ انسان ہر دوسری محبوب شے کو اس کی راہ میں قربان کر دے۔ لہٰذا جب تک انسان خدا کی محبت کو باقی سب محبتوں پر غالب نہ کر دے، وہ نیکی کو نہیں پہنچ سکتا۔ سورۂ آلِ عمران۔ آیت ۹۲ میں فرمایا گیا ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۭ

"تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں)

خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو"۔

۳۔ مَنّ و اَذیٰ اور فخر و ریا سے پرہیز

اس سلسلے کی تیسری بات یہ ہے کہ انسان خیرات کے معاملے میں دکھاوے سے بچے اور جن کو راہِ خدا میں دے اُن پر پھر نہ احسان جتائے اور نہ انہیں کسی طریقے سے کسی قسم کی کوئی ایذا پہنچائے۔ سورۃ البقرہ آیات ۲۶۲ تا ۲۶۶ میں فرمایا گیا ہے:

"جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کرکے پھر احسان نہیں جتاتے، نہ دُکھ دیتے ہیں اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور اُن کے لیے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں۔ ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذرا سی چشم پوشی اُس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دُکھ ہو۔ اللہ بے نیاز ہے اور بُردباری اُس کی صفت ہے۔

"اے ایمان والو، اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دُکھ دے کر اُس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر۔ اُس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی، اس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کرکے جو نیکی کماتے ہیں اس سے کچھ بھی اُن کے ہاتھ نہیں آتا، اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں۔ بخلاف اس کے جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضا جوئی

کے لیے دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، اُن کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو، اگر زور کی بارش ہو جائے تو دوگنا پھل لائے، اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اس کے لیے کافی ہو جائے، تم جو کچھ کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اُس کے پاس ایک باغ ہو، کھجوروں کا اور انگوروں کا، جس کے نیچے نہریں جاری ہوں اور اس میں اس کے لیے ہر طرح کا پھل ہو اور وہ (باغ) عین اس وقت ایک آگ بھرے بگولے کی زد میں آکر جھلس جائے جبکہ وہ خود بوڑھا ہو اور اس کے بچے کمزور ہوں۔ اس طرح اللہ اپنی باتیں تمہارے سامنے بیان کرتا ہے شاید کہ تم غور و فکر کرو۔"

یہاں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ احسان جتا کر اور ایذا دے کر اپنی خیرات کو خاک میں نہ ملاؤ تو اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کسی کو خیرات دے کر پھر اسے جتایا جائے گا یا اُسے کسی قسم کی اذیت دی جائے گی تو وہ خیرات ضائع ہو جائے گی! ایسی خیرات کے ثواب کی توقع رکھنا عبث ہے۔ کیونکہ وہ تو باطل ہو چکی ہے۔

پھر بتایا گیا ہے کہ جتانے والے اور ایذا دینے والے کی خیرات اسی طرح ضائع ہو جاتی ہے جس طرح اس شخص کی خیرات ضائع ہو جاتی ہے جو خدا اور آخرت پر تو ایمان رکھتا نہیں مگر لوگوں کو دکھانے کے لیے خیرات کر دیتا ہے۔ اب یہاں بھی یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ دکھاوے کی خیرات بھی کسی ثواب کا باعث نہیں بنتی۔

آگے دو مثالیں بیان کرکے واضح کیا گیا ہے کہ بدنیتی سے کی ہوئی خیرات اور نیک نیتی سے کی ہوئی خیرات میں کیا فرق ہوتا ہے۔ جو لوگ خیرات تو کرتے ہیں مگر اس لیے نہیں کہ خدا خوش ہو بلکہ صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے، انہیں اپنی خیرات سے کوئی ثواب اور خیر و برکت حاصل نہیں ہوتی۔ ان کے خرچ کرنے کی مثال ایسے ہے کہ چٹان پر کچھ مٹی پڑی تھی۔ اس مٹی پر کچھ اُگ آیا۔ پھر اس پر بارش ہوئی۔ اب اگر یہ روئیدگی کسی زرخیز زمین پر ہوتی تو اس بارش سے اور زیادہ نشو و نما پاتی، مگر نیچے تو چٹان تھی۔ بارش نے فائدے کی بجائے الٹا نقصان پہنچایا۔ بارش کے زور سے مٹی بہہ گئی اور ساتھ ہی جو تھوڑا بہت اُگا ہوا تھا، وہ بھی تباہ ہو گیا اور خالی چٹان کی چٹان رہ گئی۔ جس طرح یہ بارش بے کار ثابت ہوئی اور اس سے کوئی غذا یا چارہ پیدا نہ ہوا، اسی طرح اُن لوگوں کی خیرات بے کار ثابت ہو گی جو صرف دکھاوے کے لیے خیرات کرتے ہیں اور خدا کی خوشنودی مدِّ نظر نہیں رکھتے۔ اس مثال میں چٹان سے مراد وہ بدنیتی ہے جس سے وہ خیرات کی گئی ہے۔

اس کے برعکس جو لوگ سچّے دل سے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خیرات کرتے ہیں اور پھر بعد میں نہ احسان جتاتے ہیں نہ کسی قسم کی تکلیف پہنچاتے ہیں، اُن کی خیرات بے پناہ ثواب اور خیر و برکت کا باعث ہو گی۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی باغ بلندی پر واقع ہو کہ اگر زوردار بارش ہو تو وہ تو اس کے لیے بہت زیادہ فائدہ کا سبب ثابت ہو اور اگر زوردار بارش نہ بھی ہو تو ہلکی پھوار ہی سے باغ کے پھل نشو و نما پاتے جائیں۔

آخر میں ایک ایسے شخص کی مثال دی گئی ہے جو بڑھاپے کو پہنچ چکا

ہے۔ اس کے بچے ابھی کسی قابل نہیں۔ اس کی گزر اوقات ایک ہرے بھرے قیمتی باغ پر تھی جو اچانک ایک تیز بگولے کی زد میں آکر تباہ ہو گیا ہے۔ اب اس شخص کی کسمپرسی کا یہ عالم ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ نہ اس بات کا کوئی موقع ہے کہ وہ دوبارہ باغ لگا سکے، نہ اس کی اولاد اس قابل ہے کہ اپنا اور اس کا بوجھ اُٹھا سکے۔ ہر طرف سے اُسے تباہی ہی تباہی نظر آ رہی ہے۔

یہی حال اس شخص کا ہو گا جس نے دنیا میں بظاہر خیر خیرات اور اچھے اعمال تو کیے مگر اُن سے خدا کی رضامندی کو مطلوب رکھنے کے بجائے دکھاوے کو مطلوب رکھا۔ اب جب وہ اس زندگی کو ختم کر کے عالم آخرت میں قدم رکھے گا تو دیکھے گا کہ جو کچھ اس نے بزعم خود دنیا میں کمایا تھا وہ تو دنیا ہی میں رہ گیا اور اس کا کوئی ثواب آخرت تک نہیں پہنچا کہ وہاں اس کے کام آتا۔ اب نہ تو اس کے پاس اس بات کا کوئی موقع ہو گا کہ دوبارہ دنیا میں آکر خلوص سے نیکیاں کر کے ساتھ لے جائے اور نہ اُسے کسی طرف سے کوئی مدد ملنے کی امید ہو گی۔

کسی کے ساتھ نیکی کر کے یہ چاہنا کہ لوگ میرے اس عمل نیک کو دیکھیں اور تعریف کریں، ریا میں داخل ہے اور اسی طرح کسی سے نیکی کر کے فخر میں آجانا کہ دیکھیں تو ہم کیسے نیکوکار ہیں۔ اپنی کی ہوئی نیکی کو برباد کرنا ہے سوچا جائے تو یہ غلط قسم کا احساس برتری درحقیقت کم ظرفی کا اعتراف ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انفاق کے سلسلے کی ایک بڑی آفت احساس برتری بھی ہے۔

جو شخص اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی قوم یا اپنے مذہب کے لیے کچھ خرچ کر سکے، جب وہ دیکھتا ہے کہ لوگوں کے ہاتھ اُس کے آگے پھیل رہے ہیں اور بہت سے ضرورتمند لوگ اس کی طرف رجوع کر رہے ہیں تو اس کے دماغ میں بڑائی اور برتری کی ہوا سما جاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو دینے والے کی پوزیشن میں پا کر لینے والوں کے مقابل میں بہت ارفع اور بہت اونچا خیال کرنے لگتا ہے۔ بعض تنگ ظرف اپنے اس احساس کو دبا نہیں سکتے۔ چنانچہ اس کا اظہار مختلف شکلوں میں اُن کی زبانوں سے بھی ہونے لگتا ہے اور ان کے انداز و اطوار بھی اس کی شہادت دینے لگتے ہیں ــــ یہ احساس اُس جذبۂ شکر کی جڑ کاٹ دیتا ہے جس کو انفاق فی سبیل اللہ کا اصل محرّک ہونا چاہیے۔ اس سے آدمی مغرور، متکبّر اور خود پسند ہو جاتا ہے۔" (تزکیۂ نفس)

اب جو شخص انفاق فی سبیل اللہ کر کے مغرور، متکبّر اور خود پسند ہو گیا وہ اپنے طرزِ عمل سے یہ واضح کر رہا ہے کہ اُسے درحقیقت معلوم ہی نہیں کہ وہ انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ کیا جس کا اللہ بزرگ و برتر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ صدقہ و خیرات کر کے فخر میں آجانے والے کو کوئی تصور ہی نہیں کہ خدا اور خدا کے رسولؐ نے جس انفاق کا حکم دیا تھا، اس کی روح اخلاص تھی۔ اللہ کی راہ میں اخلاص سے خرچ کرنے والوں کا ذکر کلام پاک میں اس طرح آیا ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ — اور (وہ) اللہ کی محبت میں مسکین

حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝

(الدھر: ۸ تا ۱۰)

اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور اُن سے کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔"

اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کے بعد اگر انسان اس بات کا خواہشمند ہے کہ اُسے اللہ کے ہاں اپنے اس عمل کا ثواب ملے تو اس کے لیے ناگزیر ہے کہ انتہائی احتیاط سے کام لیتا رہے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اس کا صدقہ و خیرات ضائع ہو جائے۔ بعض علمائے تو یہاں تک احتیاط سکھائی ہے کہ کسی سے نیکی کرنے کے بعد اس سے دعا کی درخواست کرنا یا دعا کی طمع رکھنے میں بھی احتیاط کرنی چاہیے کہ یہ بھی ایک طرح کا احسان کا بدلہ چاہنا ہے۔ کہیں ایسے نہ ہو کہ اس سے احسان کا اجر ضائع ہو جائے۔

جن نیکوکاروں نے دین کو صحیح معنوں میں سمجھا ہوا تھا اُن کا تو یہ حال تھا کہ وہ اپنے صدقہ و خیرات کو اس طرح چھپاتے تھے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہونے پائے کہ دائیں نے کیا دیا۔

حضرت امام حسینؓ کے صاحبزادے حضرت زین العابدین علیؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ مدینۂ منوّرہ میں بہت سے لوگ ایسے تھے جن کی معاش کا کوئی ظاہری وسیلہ نظر نہ آتا تھا۔ جب امام زین العابدین علیؓ وفات پا گئے تو پتہ چلا کہ آپ خفیہ طور پر سَو گھرانوں کی کفالت کرتے تھے آپ اپنی خیرات کو لوگوں سے چھپانے کی خاطر راتوں کو خود محتاجوں کے گھروں

میں جاجا کر مالی امداد پہنچایا کرتے تھے۔ وفات کے بعد جب آپ کو غسل دیا جانے لگا، تو جسم مبارک پر نیل کے داغ نظر آئے۔ تحقیقات سے پتہ چلا کہ رات کی تاریکی میں غلّے کے بڑے بڑے بورے اپنی پیٹھ پر لاد کر غریبوں کے گھروں میں پہنچاتے تھے۔ جب آپ کے پاس کوئی سائل آتا تو فرماتے "میرے توشے کو آخرت کی طرف لے جانے والے خوش آمدید"۔ آپ فرماتے تھے کہ خیرات سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے! — جب آپ نے وفات پائی تو اہلِ مدینہ کہتے تھے کہ مخفیہ خیرات زین العابدینؒ کے دم سے تھی!

۴۔ موقع کو غنیمت جاننا

انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں چوتھی یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو آگے آگے نہیں ٹالنا چاہیے بلکہ جس وقت جو کچھ ہو سکے ساتھ ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہنا چاہیے۔ انسانی زندگی اتنی بے ثبات اور کمزور سی شے ہے کہ کیا معلوم جس دن کی صبح ہم دیکھ رہے ہیں اس کی شام دیکھنا نصیب ہوگا یا نہیں ہوگا، اس لیے جو کچھ کرنا ممکن ہو اسے کرنے میں دیر نہیں لگانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میری راہ میں مال خرچ کرو۔ یہ حکم نہیں دیا کہ اپنی استطاعت سے بڑھ کر خرچ کرو۔ اس لیے جو زیادہ حیثیت کا مالک ہے وہ زیادہ خرچ کرے اور جو کم حیثیت کا ہے وہ کم کرے مگر جہاں تک ممکن ہو راہِ خدا دینے کے مواقع کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ انتظار کرتے رہنا کہ بوڑھے ہوں گے اور موت کا وقت قریب آئے گا تو پھر خیرات کریں

گے، عقلمندی کا رویّہ نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ضرور ہی بوڑھا ہوگا۔ اَن گنت لوگ جوانی کی حدود پار کرنے سے پہلے پہلے ہی دنیائے حضت ہو جاتے ہیں۔ اس لیے جب بھی کچھ گنجائش ہو راہِ خدا دے کر اپنی آخرت کی درستی کی فکر کرتے رہنا چاہیے۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۵۴ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ

"اے ایمان لانے والو، جو کچھ مال و متاع ہم نے تمہیں بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی۔"

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ نے ایک روایت بیان کی ہے جس میں حضورؐ کا یہ فرمان موجود ہے:

"..... تو (خیرات کرتے میں) اتنا توقّف نہ کر کہ جان حلق تک آپہنچے (اور پھر) تو کہے کہ اتنا مال فلاں کے لیے اور اتنا فلاں کے لیے، حالاں کہ اب تو وہ فلاں کا ہو ہی چکا۔

جو خیرات موت کو سامنے دیکھ کر کی جائے اس کی وہ فضیلت نہیں جو اُس خیرات کی ہے جو ایسے وقت میں کی گئی جب ابھی انسان صحت مند تھا، اُسے جینے کی اُمید تھی، وہ فقر سے بھی ڈرتا تھا اور مالدار ہونے کی خواہش بھی اس کے دل میں موجود تھی مگر اُس نے اس خواہش کو دبا کر اپنا مال اللہ کی راہ میں دے دیا۔

اس کے برعکس موت کے کنارے پر کھڑے ہو کر تو انسان کو معلوم ہی ہوتا ہے کہ اب اس مال کو چھوڑنا ہی چھوڑنا ہے۔ لہٰذا اُس وقت اُس کا خیرات کرنا اتنی فضیلت کا باعث نہیں بن سکتا جتنا صحت اور زندگی کی حالت میں کی ہوئی خیرات بنتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زندگی میں انسان کا ایک درہم خیرات کرنا اس سے بہتر ہے کہ مرتے وقت سو درہم خیرات کرے۔ (ابوداؤد)

۵۔ انفاق میں اعتدال راہِ خدا دینے کے سلسلے میں پانچویں ہدایت یہ ہے کہ اس طرح اعتدال سے دیا جائے کہ انسان خود محتاج نہ ہونے پائے۔ واضح رہے کہ زیادہ دولت مندی کی طرح زیادہ مفلسی بھی ہزار خرابیاں پیدا کرتی ہے اور نظامِ زکوٰۃ کے اغراض و مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں زیادہ مفلسی نہ ہونے پائے۔ اب اگر کوئی انسان اتنی زیادہ خیرات کرے گا کہ خود دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کے قابل ہو جائے گا تو یہ کوئی پسندیدہ کام نہیں ہوگا۔ دوسروں کی مُفلسی دُور کرتے کرتے خود مفلس ہو جانا کوئی عقلمندی کا کام نہیں۔ زکوٰۃ و خیرات کے نظام کو قائم کرنے سے مقصود یہ تھا کہ دل پاک ہوں اور محتاجوں کی محتاجی دُور ہو نہ کہ جنہیں خدا نے محتاج نہیں بنایا وہ بھی آکر محتاجوں کی صف میں داخل ہو جائیں۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۲۹ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً "نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ

اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ	رکھو اور اُسے بالکل ہی کھلا چھوڑ
الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا	دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر
مَّحْسُوْرًا ۝	رہ جاؤ۔"

" یہاں ہاتھ باندھنے سے مراد ہے کنجوسی کرنا اور بالکل کھلا چھوڑ دینے سے مراد ہے بہت زیادہ خرچ کرنا۔

حضرت کعبؓ صحابیٔ رسولؐ سے ایک قصور ہو گیا کہ وہ جہاد سے پیچھے رہ گئے۔ اس قصور کی سزا آپؓ کو یہ ملی کہ سب مسلمانوں کو حکم ہوا کہ آپ سے بائیکاٹ کر دیں۔ حضرت کعبؓ پر یہ وقت بہت سخت گزرا۔ پچاس دن آپؓ نے شدید قسم کی تکلیف میں گزارے اور آخر جب آپؓ کی توبہ قبول ہوئی اور سب کو آپ سے ملنے جلنے کی اجازت ملی تو آپ اس قدر خوش ہوئے کہ چاہا کہ اپنا تمام مال راہِ خدا خیرات کر دیں مگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

" (سارا مال خیرات نہ کرو بلکہ) اپنا کچھ مال اپنے پاس رکھو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔" (بخاری)

اسلام نے راہِ خدا دینے کے معاملے میں بھی جس طرح اعتدال سے کام لیا ہے وہ اسی سے ظاہر ہے کہ مال کی تمام اقسام پر زکوٰۃ فرض نہیں کی گئی بلکہ صرف پانچ اقسام پر فرض کی گئی ہے۔ اس میں بھی شرح زکوٰۃ چالیس فیصد یا بیس فیصد یا دس فیصد یا زیادہ سے زیادہ پانچ فیصد رکھی گئی ہے۔ یہ ایسا معتدل نظام ہے کہ خوش حال لوگ محتاجوں کی محتاجی دُور کر دیتے ہیں مگر خود محتاج نہیں ہونے پاتے۔

بعض لوگ دین کے معاملے میں زیادہ سے زیادہ سختی ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور اُن اشیاء بھی زکوٰۃ ثابت کرنے کی سعی کرتے ہیں جن پر خدا نے زکوٰۃ عائد نہیں کی۔ "یہ گرمجوشی" درحقیقت اسلام کے مزاج کے اعتدال کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہوتی ہے۔

۶۔ زیادہ مستحق لوگ

اُوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ آٹھ مصارف ایسے ہیں جن پر زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے۔ ان آٹھ مصارف ہی کے سلسلے میں چند اور ضروری باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں:

ایک یہ کہ شوہر، بیوی، والدین اور اولاد کے علاوہ دوسرے رشتے دار اگر شرعاً زکوٰۃ کے مستحق ہوں تو انہیں غیر رشتے داروں پر ترجیح حاصل ہے۔ اس لیے غیروں کی نسبت اُن کی مدد پہلے کی جانی چاہیے۔

دوسرے یہ کہ قریب کے لوگ اگر حاجتمند ہیں تو دُور رہنے والے حاجتمندوں پر ان کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ ہاں اگر دُور والے زیادہ حاجتمند ہیں تو پھر زکوٰۃ دُور بھی بھیجی جا سکتی ہے۔

تیسرے یہ کہ وہ سفید پوش لوگ جو درحقیقت زکوٰۃ کے مستحق ہوتے ہیں مگر اُن کی ظاہری حالت سے اُن کی محتاجی کا پتہ نہیں چلتا، نہ وہ لوگوں کے پیچھے پڑ پڑ کے مانگتے ہیں، زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں بہ نسبت اُن لوگوں کے جنہوں نے منہ پھوڑ کر مانگ بھی لینا ہے۔

سورۃ البقرہ، آیت ۲۷۳ میں ان خوددار لوگوں کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

"(زکوٰۃ و خیرات پر) اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں (اور روزی کمانے کے لیے) زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ ناواقف شخص اُن کے سوال سے پرہیز کرنے کے باعث انہیں خوشحال

سمجھتا ہے۔ تم اُن کو اُن کے طرز سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے۔"

خیرات و زکوٰۃ کے سلسلے میں قریبی حلقے کو ترجیح دینے میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ قریبی لوگوں کے مستحق ہونے یا نہ ہونے کا انسان کو زیادہ اچھی طرح علم ہو سکتا ہے بہ نسبت دُور کے لوگوں کے۔ دوسرے یہ کہ قریبی لوگوں کو امداد پہنچانی زیادہ آسان ہے بہ نسبت دور امداد پہنچانے کے۔ تیسرے یہ کہ اگر تمام صاحبِ نصاب لوگ اپنے اپنے قریبی ماحول کا دھیان رکھتے ہیں تو پھر ہر جگہ کے محتاجوں کو زیادہ آسانی سے امداد بہم پہنچ جایا کرے۔

زکوٰۃ و خیرات کے سلسلے میں ان ہدایات کو سمجھ لینے کے بعد آخر میں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ انفاق فی سبیل اللہ پر اتنا زور دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے سوال اور گداگری کو سخت ناپسند کیا ہے۔ جامع ترمذی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس کا ایک فقرہ یہ ہے کہ:

"جس شخص نے بھی مانگنے کا دروازہ کھولا، خدا نے اس پر محتاجی کا دروازہ کھول دیا۔"

ایسے ہی حضرت زبیرؓ بن عوام کی ایک روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی رسّی لے اور لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لائے اور اسے بیچے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو محفوظ رکھے، تو یہ اُس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگے (پھر) وہ اُسے دیں یا نہ دیں۔ (بخاری)

ایسے ہی حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ (سوال کرتے رہنے کے باعث) اس کے چہرے پہ گوشت کا ایک ٹکڑا نہ ہوگا۔ (بخاری)

مُغیرہؓ بن شُعبہ نے امیر معاویہؓ کو لکھ بھیجا کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ اللہ نے تمہارے لیے تین چیزیں ناپسند فرمائی ہیں (ایک) بے فائدہ گفتگو اور (دوسرے) مال کا ضائع کرنا اور (تیسرے) بہت مانگنا۔ (بخاری)

ان احادیث کی روشنی میں یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ حاجت مند جن کو صدقہ وخیرات دی جارہی ہے۔ کمانے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو پھر انہیں اس طرح مالی امداد دی جائے کہ وہ کمانے کے قابل ہو جائیں۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوال کرنے کے لیے آیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تیرے گھر میں کوئی چیز نہیں۔ اُس نے کہا کہ کیوں نہیں، ایک کملی ہے اس کا کچھ حصّہ ہم اوڑھتے ہیں اور کچھ حصّہ بچھا لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے اس میں ہم پانی پیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آ۔ پس وہ دونوں چیزیں آپؐ کے پاس لے آیا۔ آپؐ نے اُن دونوں کو اپنے ہاتھ میں پکڑا اور فرمایا کہ انہیں کون خریدتا ہے۔ ایک شخص نے کہا۔ میں انہیں ایک درہم کے بدلے لے لیتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کون ایک درہم سے زیادہ دیتا ہے۔ آپؐ نے یہ بات دو یا تین مرتبہ فرمائی (اس پہ) ایک اور شخص نے کہا کہ میں انہیں دو درہموں کے بدلے لیتا ہوں۔ آپؐ نے وہ دونوں چیزیں اُسے دے دیں اور

دو درہم لے لیے اور اُس انصاری کو دے کر فرمایا کہ ان میں سے ایک درہم کا غلّہ لے کر اپنے گھر والوں کے پاس ڈال آ، اور دوسرے سے ایک کلہاڑی خریدا اور اسے میرے پاس لے آ۔ پس وہ حضورؐ کے پاس کلہاڑی لے آیا۔ پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اس میں ایک لکڑی ٹھونک دی، پھر اُس سے فرمایا کہ (اب) جا اور لکڑیاں کاٹ کر لاکر بیچ اور میں تمہیں پندرہ دن تک (یہاں) نہ دیکھوں۔ پس وہ شخص چلا گیا۔ لکڑیاں کاٹ کر لاتا تھا اور بیچتا تھا۔ پھر وہ شخص آیا تو وہ دس درہم کما چکا تھا۔ پس اُس نے اُن میں سے کچھ کا کپڑا خریدا اور کچھ کا غلّہ مول لیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ تیرے لیے بہتر ہے اس سے کہ قیامت کے دن تیرے چہرے پر مانگنے کا داغ ہو۔ (ابوداؤد)

حضورؐ کا یہ طرزِ عمل ہمارے لیے ایک روشن نمونہ ہے۔ اس کی روشنی میں ہم کئی اور ایسے طریقے سوچ سکتے ہیں جن سے لوگوں کی امداد اس طرح کی جائے کہ اس امداد کے بل پر وہ خود کمانے کے قابل ہو جائیں مثلاً کسی کو مدد دے کر کوئی چھوٹی موٹی تجارت شروع کرادی جائے یا کسی کو تعلیم حاصل کرنے میں مدد دی جائے جس سے وہ آگے چل کر اپنا اور اپنے متعلقین کا بوجھ اُٹھا سکے یا کوئی اور ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے وہ محتاج جو کمانے کی طاقت رکھتا ہو اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے۔

تاہم معاشرے میں بے شمار لوگ ایسے ہوں گے، جو کمانے کا کام نہیں کر سکیں گے۔ مثلاً چھوٹے بچوں والی بیوہ عورتیں، یتیم بچے، غریب بوڑھے، جسمانی طور پر معذور لوگ، دائم المرض انسان وغیرہ وغیرہ۔ ایسے لوگوں کی بہرحال امداد کرنا ہوگی، اور اتنی ہمدردی، محبت اور خوشدلی سے امداد کرنا ہوگی کہ

انہیں اپنی محرومیوں کا احساس نہ ہونے پائے!

جذبۂ انفاق رکھنے والے

صحابۂ کرامؓ کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ وہ بزرگ سخت تنگدستی سے دوچار رہتے تھے تاہم جو کچھ تھوڑا بہت ملتا تھا اس میں سے صدقہ و خیرات کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ جناب عبدالسلام ندوی صاحب "اسوۂ صحابہؓ" میں صحابۂ کرامؓ کے صدقہ و خیرات کے بہت سے واقعات بیان کرتے ہیں جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

حضرت ابومسعود انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو صحابۂ کرامؓ بازاروں میں جاتے اور بوجھ اٹھا کر اُجرت حاصل کرتے اور اسے راہِ خدا خیرات کر دیتے۔

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ نے ایک کنیز فروخت کی اور اس کی قیمت لے کر بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت زبیرؓ نے ان سے وہ رقم مانگی۔ اس پر حضرت اسماءؓ نے فرمایا کہ میں نے تو اسے خیرات کر دیا ہے۔ آپؓ کی مراد یہ تھی کہ اس رقم کے بارے میں فیصلہ کر لیا ہے کہ اسے راہِ خدا دے دوں گی۔

حضرت حکیمؓ بن حزام نیک کاموں کا بہت شوق رکھتے تھے۔ مشہور عمارت دارالندوہ انہیں کے قبضے میں تھی۔ انہوں نے اسے امیر معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم پر فروخت کیا اور اس کی کل قیمت خیرات کر دی۔

حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر تھے اور پانچ ہزار درہم وظیفہ پاتے تھے۔ وظیفے کی یہ ساری رقم آپ خیرات کر دیتے تھے اور خود اپنے کسب سے روزی پیدا کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں منافقین بھی موجود تھے۔ صحابۂ کرامؓ اپنی استطاعت کے

مطابق کبھی زیادہ اور کبھی کم خیرات کرتے رہتے تھے۔ اگر وہ زیادہ رقم کرتے تو منافقین طعنے دیتے کہ یہ ریا ہے اور کم رقم خیرات کرتے تو وہ طعن کرتے کہ بھلا اس حقیر چیز کو خدا نے کیا کرنا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آٹھ ہزار درہم صدقہ میں دیے تو منافقین کہنے لگے کہ یہ (نعوذ باللہ) ریاکار آدمی ہیں۔ پھر ایک دفعہ ایسے ہوا کہ ایک صحابیؓ نے ڈول کھینچنے کی اجرت میں ایک صاع پایا اور اسے خیرات کر دیا تو منافقین نے کہا کہ خدا اس حقیر خیرات سے بے نیاز ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

"اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو رضا و رغبت دینے والے اہل ایمان کی مالی قربانیوں پر باتیں چھانٹتے ہیں اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس (راہ خدا میں دینے کے لیے) اس کے سوا کچھ نہیں جو وہ اپنے اوپر مشقت برداشت کر کے دیتے ہیں۔ اللہ ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کے لیے دردناک سزا ہے۔" (التوبۃ: ۷۹)

مگر صحابہ کرامؓ کے جذبۂ خیرات کا یہ عالم تھا کہ نہ تنگدستی ان کی راہ کی رکاوٹ بنتی تھی اور نہ ایسے ذوقِ فضول رکھنے والے مخالفین اسلام کی بیہودہ گوئی انہیں اس راہ سے ہٹا سکتی تھی۔ احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ اپنے ان عزیزوں کی طرف سے بھی خیرات کرتے تھے جو وفات پا چکے ہوتے تھے۔

حضرت سعدؓ بن عبادہ کی والدہ نے انتقال کیا تو انہوں نے ان کی طرف سے بطور صدقۂ جاریہ ایک کنواں کھدوایا۔

حضرت عبداللہؓ بن عمر کا معمول تھا کہ جو چیز پسند ہوتی اسے خدا کی

راہ میں دے دیتے۔ ایک بار سفر حج میں تھے، اونٹنی کی چال پسند آئی تو اس سے اُتر گئے اور اپنے غلام نافع سے کہا کہ اسے قربانی کے جانوروں میں داخل کر لو۔

سید سلیمان ندوی "سیرۃ العائشہ" میں حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ کے مناقب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"دونوں بہنیں حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نہایت کریم النفس اور فیاض تھیں (حضرت اسماءؓ کے بیٹے اور حضرت عائشہؓ کے بھانجے) حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ ان دونوں سے زیادہ سخی اور صاحب کرم میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ فرق یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ ذرا ذرا جوڑ کر جمع کرتی تھیں۔ جب کچھ رقم اکٹھی ہو جاتی تھی تو بانٹ دیتی تھیں اور حضرت اسماءؓ کا یہ حال تھا کہ جو کچھ پاتی تھیں، اس کو اٹھا نہیں رکھتی تھیں (فوراً راہ خدا میں دے دیتی تھیں)" (سیرۃ العائشہؓ، ص ۱۵۴)

حضرت اسماءؓ کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت عائشہؓ نے وفات پائی تو ترکے میں ایک جنگل حضرت اسماءؓ کو ملا۔ لیکن انہوں نے اسے ایک لاکھ میں بیچ کر کل رقم عزیزوں میں تقسیم کر دی۔ آپ بیمار پڑتیں تو اپنے تمام غلام آزاد کر دیتیں۔

حضرت عائشہؓ کی فیاضی طبع کا یہ حال تھا کہ حضرت عروہ کی روایت کے مطابق ایک دفعہ پورے ستر ہزار کی رقم راہ خدا میں دے دی اور دوپٹے کا گوشہ جھاڑ دیا۔

ایک دفعہ اُن کے بھانجے حضرت ابن زبیرؓ نے ایک لاکھ کی رقم بھیجی۔ انہوں نے یہ رقم ایک طبق میں رکھ لی اور بانٹنا شروع کر دیا۔ خود اس دن

روزے سے تھیں۔ شام ہوئی تو کنیز سے افطار لانے کو کہا۔ کنیز نے عرض کیا کہ اُمّ المؤمنینؓ، کیا آپ اس رقم سے افطار کے لیے تھوڑا سا گوشت نہیں منگوا سکتی تھیں؟ اس پر فرمایا کہ اُس وقت کیوں نہ یاد دلایا؟ اب ملامت نہ کرو۔

خیرات کرتے ہوئے وہ زیادہ یا کم کی پروا نہیں کرتی تھیں۔ اگر لاکھ ہے تو لاکھ راہِ خدا دے دیا اور اگر کسی وقت کوئی ذرا سی چیز ہی ہے تو اسے دے دینے میں بھی تامل نہ تھا۔ ایک دفعہ ایک سائل آیا۔ سامنے کچھ انگور کے دانے پڑے تھے۔ ایک دانہ اٹھا کر اس کے حوالے کیا۔ اس نے دانے کو حیرت سے دیکھا کہ بھلا ایک دانہ بھی کوئی کسی کو دیتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ دیکھا تو فرمایا کہ یہ دیکھو اس میں کتنے ذرّے ہیں۔ آپ کا اشارہ اس آیت کی طرف تھا:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ (الزلزال)

"جس نے ایک ذرّہ بھر بھی نیکی کی وہ (قیامت کے دن) اسے دیکھ لے گا"۔

ایک دفعہ ایک عورت سوال کرنے آئی۔ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک کھجور تھی، وہی اٹھا کر اس کو دے دی۔

اُمّ المؤمنین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کا لقب اُمّ المساکین تھا کیونکہ آپ فقراء اور مساکین کو نہایت فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔

اُمّ المؤمنین حضرت زینبؓ بنت جحش کے متعلق روایت کیا جاتا ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے اُجرت حاصل کرتیں اور پھر اس اجرت کو راہِ خدا میں دے دیتیں۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت

زینبؓ کا انتقال ہوا تو مدینہ منورہ کے مفلوک الحال لوگوں میں سخت کھلبلی مچ گئی۔

واضح رہے کہ تن اور روح کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے تو بہت کم چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ جو آدم کی اولاد اپنی غذا، لباس اور رہائش پر ڈھیروں ڈھیر خرچ کرتی ہے۔ یہ واقعی اور حقیقی ضروریات کے باعث نہیں ہوتا بلکہ اکثر و بیشتر صرف لذت حاصل کرنے جسم کو آرام پہنچانے اور معاشرے میں وقار حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ جن دانا اور سعید روحوں نے لذت، آرام اور وقار کا صحیح مفہوم سمجھا تھا، انہوں نے اپنے مال کے لیے ایسے صحیح اور معتدلانہ مصارف چن لیے تھے جن کے باعث وہ اس لذت، اس آرام اور اُس وقار کے مستحق ہو گئے، جو موت کے ساتھ ختم نہیں ہوتا بلکہ موت کے بعد اس ابدی زندگی میں بھی ساتھ رہتا ہے۔

سورۃ الحدید آیات گیارہ اور بارہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

"کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض، تاکہ اللہ اُسے کئی گنا بڑھا کر اس (دینے والے) کو واپس کرے اور اس کے لیے عزت والا اجر ہے، اُس دن جبکہ تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور اُن کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا (ان سے کہا جائے گا کہ) آج خوشخبری ہے تمہارے لیے، جنتیں ہوں گی جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی ہے بڑی کامیابی!"

بزمِ بتول کی تصانیف

(خواتین کے لیے)

- رَبَّنَا (دعاؤں کا مجموعہ) عفت قریشی
- انوار القرآن (آیاتِ قرآنی کا انتخاب) عفت قریشی
- صادقہ (مجموعۂ احادیث) بنت الاسلام
- زندگی بے بندگی شرمندگی (حصہ اوّل) آخرت، بنت الاسلام
- 〃 〃 〃 (دوم) حبِ الٰہی، بنت الاسلام
- 〃 〃 〃 (سوم) داعی کے اوصاف، 〃
- 〃 〃 〃 (چہارم) نفس کا تزکیہ، 〃
- 〃 〃 〃 (پنجم) صلوٰۃ و زکوٰۃ، 〃
- 〃 〃 〃 (ششم) صیام و حج 〃
- 〃 〃 〃 (ہفتم) حقوق العباد 〃
- 〃 〃 〃 (ہشتم) علم 〃
- 〃 〃 〃 (نہم) اخوتِ اسلامی 〃
- 〃 〃 〃 (دہم) قوتیں 〃
- 〃 〃 〃 (یازدہم) سراجِ منیرؐ 〃

ناول اور افسانے

سہارا (ناول) بنت الاسلام

- ذرا نم ہو تو یہ مٹی ! (ناول) بنت الاسلام
- وہ غم اور ہوتے ہیں (افسانے) "

بچوں کے لیے

- سیدنا ؐ (سیرت النبی ؐ) بنت الاسلام
- ہمارے نبی ؐ (") "
- باقی کون رہے گا (منظوم کہانیاں) فرات احسن
- سات صندوق (") "
- آمنہ آپا اور دوسری کہانیاں بنت الاسلام (زیر طبع)

ادارہ بتول۔ سید پلازہ ۳۰ فیروز پور روڈ ۔لاہور